

آسمان روشن ہے



شیر حیدر

ہمارے حقوق محفوظ ہیں

نہم کتاب
مصنف
کتابت
سنا شاعت
مطبوعہ

آسمان روشن ہے
کرشن چندر
محمد عارف سہجانی
۲۰۰۰ء
قانون آفیسر پرنٹرز سہجانی

قیمت 1 = 100/-

ISBN 88533-09-2

1. ASMAN ROSHAN HAI (NOVEL)

By

KRISHAN CHANDER

Rs. 100/-

AKAVALI PUBLISHER'S

4, Viji Mahal, Rajapur
(Near Bhagya Laxmi Apartment)
Sector 9, Rohini Delhi - 110085

آسمان روشن ہے

کرشن چندر

آسمان روشن ہے

(ناول) -

اس ناول کے تمام واقعات کردار اور نام
فرضی ہیں۔ مسابقت محض اتفاقاً ہوگی۔
اور اس کے لئے مصنف اور ناشر
بری الذمہ رکھے جائیں گے۔

اراولی پبلیشرز
۲۰۰ بی۔ بی۔ روڈ - رضا پور - نزد سہاگ پور
سیکرٹری - روہنی - نئی دہلی - ۸۵۰۰۱۱

ایسا اس نے بتا دیا کہ نام لڑکی پر بیٹھنے بیٹھتے سوچا اور لہجہ اپنی صوت ایک غلطیت آواز اٹھنا
کی طرح حسین معلوم ہوئی اس نے چھوڑ کر کبایت لہجہ ڈنکا اٹھا اس کے جہت پاں کی لاضہ
سے جھکے ہوئے تھے اور اس کے جذبات محنت کے مختلف خیالوں پہنچنے ہوئے اس میں دیکھے
دیکھے سنگ رہے تھے کہ وہ ان سے لمبا ان کا سامان اٹھاتا ہوا دیکھ سکتا تھا وہاں —
اس طرح مریدان کائنات عہد ہے — اس نے دل ہی دل میں اپنی خواست میں کوئی دہی اور نام
کری پر اچھی طرح دوز ہوئے ہوئے اس نے سامنے کے ستوال پر لپٹے پاؤں کو دیکھتے اور
اس کے ذہن میں آپ کتاب دور دیکھ کر گلیا جیاب سے لپٹے ہوئے اس کے جھکے ہوا دیکھا تھا
اس دن بیٹا رڈ پیک کے ڈرائی ڈاک جیاب میں اس خطام کو لکھا تھا اس پر صفت کا نام
ہو رہا تھا اور یہ کام کئی روز سے ہادی تھا یہی وہ ہے جہاز ڈرائی ڈاک چھوڑ کر منہ میں ہانے
والا تھا اس لئے اس میں اس خطام کے سکڑا انجیز ملاتی نے اس کی دعوت کی تھی۔ سکڑ
انجیز ملاتی سے اس کی ملاقات بیٹا رڈ پیک کی چوک کے باہر کے ایک اریاتی رستہ میں ہوئی
تھی۔ وہ حسب معمول بحری غلامیوں اور سفاروں کے ہوا ایک میز پر بیٹھا ہوا پاسکے پی رہا تھا
اور کپ لڑا رہا تھا اور سیدھے سامنے ہی بیٹھ جہازوں سے وہ واقعات سن رہا تھا جو
انہیں دوسری بند رگاہوں میں انہی ملکوں کی دفنی بند رگاہوں میں پیش آتے تھے۔ جتنے جو
بیست سی تھے لیکن زندگی کی لڑن پہنے تھے جو کہ کتاب میں نہیں لکھے جاسکتے لیکن نہیں سننے
وانے اپنے ذہن میں کئی قیاس سے قیاس کتاب کے دوس جات سے نہ تو قیاس لکھا لکھتے تھے
لیکن کئی قیاسوں میں ہونے کی بجائے وہ ایسا سہا سہا میں کرتے تھے کہ غلبہ باروں و شہ کی
الف ایلیس دلت کا گانہ ہوتا ہے کبھی ایسے پچھنے پچھنے کے غریبوں کی آنسو سے آنسو بہتے
ہوئے نظارے تھے جس کی ایسے سحر شہ کو دیکھنے والا نہ دیکھنے والے جہازی کے پر ہے کہ
خطارہ جاتا ہے کہ ایسا ظلم اس دنیا میں کون سے؟ جہازوں کی دنیا اپنے جہاز پر پت
سوفیت نگاہ کرو اور پچھلے ہوئے سمندر کی لڑن پہنے گا رہتی ہے۔ دوسرے وہ

جہازوں کی زندگی کے حلق ایک ناول لکھنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن ابھی تک وہ اس
موضوع کی شریک رہا تھا نہ کہ سکا تھا اس لئے وہ بار بار بیٹا رڈ پیک کے پاس جانوں میں
دیکھا ہوتا تھا بیست سے جہازوں سے اس کی دوستی آپ سے تم اور تم سے گلی تک
انجیز دیکھی تھی۔ جہازوں کی گلیوں کا ایک جہت انگیز مسوری جہت ہے جس
پر کبھی تو گلیوں کی تشبیہات اور کبھی چھوٹی مسافتیں بڑی کا گانہ ہوتا ہے گلیا بار پچھلیوں
نکلتے سننے سے خیال آتا تھا کہ اگر یہ گلیا تصویروں کی طرح کسی ناخوش میں دھکی جائیں
تو جہاز بیست کے بیترہم شرم سے اپنا منہ چپتے پھرے۔ اس قدر غلامی معلوم ہوں وہ
اس گلیوں کے تصوروں کے سامنے مگر عقل و دانش کی اس دنیا کو کیا کہنے کہ وہ ڈال ایسے
مسوروں کو تو پچھتی ہے لیکن اس کی کار جہازوں کو بے نام و نشان چھوڑ دیتی ہے۔ ہاں
تو وہ ایک روز پاسکے لائے کہ ایک میز پر بیٹھا ہو جہازوں کی ایک گلی کو ایک حزام
افسانہ رہا تھا کہ اس نے مسوس کیا کہ ایک گلی اس کی کرسی کے چپے کے کوڑا ہو گیا ہے
اس نے بیست کے دیکھا تو اس ڈپے چپے کو پچھنے ہوئے گلیوں والے سامنے رنگ
کے آوی نے جس کے پرے پر کبیں کبیں چپک کے نشان تھے اسے اشارے سے
اپنا افسانہ جاری رکھنے کے لئے کہا۔ چنانچہ وہ فوراً بیست کر اپنا افسانہ پھر سے سنانے
میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے مسوس کیا کہ وہ تو ہی ایک کرسی گسٹا کہ اس
اس کے قریب بیٹھ گیا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے مسوس کیا کہ اس کے حزام
مٹانے میں جہازوں کو جتنا لطف پہلے آ رہا تھا اب نہیں رہا۔ اس کی بیٹی مسکرا بیٹوں میں
جب گئی مسکراتیں ہونٹوں کے کناروں میں چٹکی لگیں تھوڑی دیر کے بعد جب افسانہ ختم ہوا
ایک ایک کے ساتھ جہازی وہاں گسٹا گئے اور وہ ڈپے چپکے آوی کے ساتھ اٹھا ہوا
گیا اور اس نے جہاز سے لپٹے سے اس آوی کی طرف دیکھا جس نے اس کو صوفت غلامی کر
وہ جہاز پر چم کر رہا تھا۔ شکل و صورت اور لباس اور طوار سے یہ آوی ایک افسانہ نگار کی دست تھا

اگر عقل کروں گا : اسحاق نے اور پھر بچے ہوئے کیا : اسی چیز نے

مستمع حاضر ہوا کہ پہلا ہی پر ۹۰ اسی کے بعد وہ اپنے خالق پر گواہی دینے لگا۔ پھر کہا: جس طرح
 شرم گھبراہٹ، اپنے اذیت، سطر، جیسا کہ تم کہتے ہو۔ میری اذیت سطر ہے۔

مگر وہ کہل چھنے کا ذرا بھی حزن یا غم نہ دیکھا۔ وہ سب سے خوش قسمت تھی کیونکہ انچیز کے کہیں
 نہ نہ خود کو نہیں دیکھا۔ ایک دوسری بے شکور کوڑھی تھی جس کا سر بالکل سفید تھا۔ وہ بھی بے شکور تھی۔
 کوڑھی بھگت پر ہی رہی ہوئی۔ اس کے سامنے ایک کڑی پرستکاری چھا رہا تھا۔ وہ اپنی اپنی ساتھیوں کو دیکھ

دوسرے دن شام کے ساڑھے پانچ بجے ہی وہ ریلا ٹو پین کے ایک پوائنٹ پر موجود تھا۔

اس وقت کافیج کے ہولے میں دوڑا انھیں بند کے ہوئے بھی اسحاق بیل سے اپنی پہل علاقے کو دیکھ سکتا تھا۔ وہاں صفائی فرشتے پر کڑے تھے گاٹھیں کہیں کے پڑاؤں کے ذخیروں، چٹے جوتے، ٹریک، بال گرو، سونے اور دیگر جگہیں پر کھڑے تھے۔ اس علاقے کے بچے سے تنگ سی سرگرمی ایک جہزنگ کا گھاسی تیزی سے بہاؤ کی طرف توجہ تھی۔ یہاں کے لہجے کے قریب آ کے وہ گاٹھی ایک گلی جھانک کر پتہ لگا دیا اور اس سے کہیں کہیں دیکھیں کہ کون کون ہیں اور نہ چنے پر چڑھنے لگیں۔ مشرقی صورت کی یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ وہ غلوں سے اُپر اپنے جسم کا کوئی ستر دکھائے یا نہ دکھائے۔ اس کا ہند نہ بھگوان نہ چنے پر چڑھتے ہوئے تھا یا وہ بھگوان ہے کہی تو وہ اپنی سادھی سنبھالی بنے اسے خدا سا اپنے غلوں کے اوپر کھڑی تھی۔ پھر کو کچھ گھبراہٹ سے اسے اور جلدی سے

”اوندہ! ہو جانے دو جیل تک کر بول، آج ہم یہاں مکر ضرور دیکھیں گے۔“
جیلر چنچل کی طرح تھلی بھاگے کھل کھارکڑیں چڑی۔ جیلر کا دھڑکنے لگا اور ہاتھ پیر ہونے لگے۔
”اس کا جسم ہی دونوں سے زیادہ گولڈرنگ لڑ بھی کی طرف، اگل تھا مگر اس وقت
جیلر اساقی کو بہت اچھی معلوم پہن۔ اس کا چٹا لکڑی کا کھل کھارکڑیں چڑا اور یہاں لڑکھینے
پر آمادہ کرنا۔“

ہائیکر روم جو جیلر کے سب سے چمکے ہوتا ہے، اوپر کے جنگ سے ایک نسل
دیکھنے میں ہائیکر دونوں کو تہہ فاد معلوم ہوتا ہے۔ شدید، جس، گھٹن اور گرنی، جڑی چڑی
سیاہ، ٹوم ٹام ٹیٹھیں اور روش سے محبت، تک میٹھے میٹھے، تو خفاک ٹکوں واسے آہنی
فل، غلط سیاہ لباس پہنے ہوئے کو لڑھکھو لکھنے ہوئے خلاص جو آہنی دو سے ہائیکر کھنٹے
جیسے معلوم ہو رہے تھے۔ پڑھنی آہنی ہو لگ جیسا اساقی کوڑا تھا، مختلف لکڑیوں اور آہنی
تکات کے گرد گھومتا ہوا چمکے تک چڑا گیا تھا۔

”یہاں تو بہت گری ہے۔“ اساقی نے اندازہ کیا۔

”کھنٹے سے کیا۔“ بیکین سے کہہ کر ہی ہو گئی، چلے نیچے چلو۔“

چمکے ہالے کے لیے جگہ بہت کم تھی۔ ایک وقت میں ایک آدمی ہی اساقی سے جنگ
سے اوپر چمکے کر رہتا تھا۔ اس چمکے گم سے ہونے نوزوں پر تو یہ جگہ اور بھی تنگ ہو
جاتی تھی مگر لڑکوں چمکے پھلتے ہوئے نہ پھلتے تھے، اچھے اترتے ہوئے گم اور ہی تھیں۔

اس اساقی نے موٹی لیم طاقی کے بارے میں محسوس کر لیا تھا کہ وہیں لڑکوں کو کیا ہا کھلا سکتا ہے
شباب پڑا سکتا ہے۔ باتیں کرنا سکتا ہے لیکن ہاتھ لگانے سے بدلتا ہے۔ اس وقت گم اور جنگ
پر سب سے چمکے کو لڑکوں کو ہاتھ کے اشارے سے چمکے اترنے کو کہہ رہا تھا اور ساقی اس
کی نصیحت یہ بھی تھی کہ اترتے وقت ساڑھیوں کو اپنی جنگ کی سیلے سے منہ نہ لے کر ہاتھ
وڑ نہ دیا اور نہ لگ ہاتھ لگا۔ پھر سب کام ہو کر گئے۔ لڑکوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا کہ ساڑھیوں
سنبھالیں کہ کوئی جلی کر کے چڑا کر پھر ہاتھ جنگ کی سیلے سے پھڑکے۔ آپ اپنے سلسلے کام
اس سے کہ دم نہ ہو سکتے تھے۔ ہو سکتے تھے۔ اس سے نہ روت جنگ کے بہرے سے چمکے تک
دوڑتی ہوئی پاسکتی تھی لا۔ پھر بے گام کو اپنی آنکھ تھی۔ دوڑا لگی نام تو تھیں رست مندر تھیں
معلوم دون کے سامنے اپنی صحت کا ثبوت کیجئے دیں! پھر تہذیبی ہے اور نوزوں کو لگی نہ لگسا
جیسا گتا۔ اس نے کیجئے چمکے اترنا ہلے۔ مکی منڈ تک تو آہیں میں نہ پڑھنی وڑھنی۔ اساقی نے
ہاتھ لگا کا ہاتھ پیر دے کہا۔ ”آپ اپنے میٹھے سے ساتھ۔“ اس کوئی کہہ کے وہ چمکے تھری اور اس
کے چمکے ٹکھنٹا اور جیلر اور آہنی طاقی جس کا چمکے اساقی کو سنبھالنا کا ہاتھ پیر دے دیکھ کر
حال ہو کر آیا تھا۔ وہ دھنسا ہے، پتا چمکے صاف کر رہا تھا۔ جیسا موزر تک تھے وہاں سے
اساقی کو تھیں لڑکوں کی مدد کرنا چڑی اور اس میں اس کے ہاتھ بے اختیار کی مکی چمکے
اور جب یوں ہو تو تھیں تھیں لڑکوں کو جو چمکے پنے ہوئے جیسا کہ جیسا بلن کی قریب کا سامی
اساقی کے تھیں ہوا یہ۔ اس میں تھیں لڑکوں میں ایک ایک تھا مگر تھا۔ اور انھوں میں ایک
جیسا بلن کی جھک کر پھل دوڑنے لگی اور شچین ہو رہا ہے تک اپنا کام نہ کرنا تھی کام نہ لگنا۔

چمکے ٹکڑا کو نوزاد کے قریب ہا کر اپنی ساڑھی سنبھالے ہو، ہو کر کھیل کے ٹکڑے کے ایک
آہنی لیم اس کی شفاف ہے۔ دارا ساڑھی پر کہ کے قریب ہی انھوں کے سیاہ لٹا ہی تھے۔
اساقی نے طاقی کی نصیحت کی پڑا وہیں کی تھی۔ اس نے چمکے کر لڑنے اور اساقی کے ہاتھوں کی اپنی
ہوئی تو محسوس تک اٹی تھی۔ جیلر کے ٹھٹھنے ہی گم کر ٹکھنٹا اور سنبھالنے لے جیسا اپنی ساڑھیوں

کا جائزہ لیا۔ مگر کے قریب انگلیوں کا وہی خمچہ موجود تھا۔ ہاتھ مکر کے خم کے اوپر۔ اسحاق خوب ہنسا۔ لڑکیوں نے اسے خوب مستطاعت کی گروہ ہنستا ہی رہا اور ایک بار بھی اس نے سدائی نہیں مانگی۔ ابوتہ ملانی نے بڑی تنیدگی سے انھیں بتایا کہ کس طرح اس نے انھیں پرہیزگرم میں جانے سے منع کیا تھا۔ سچ اس نے گویا پورے جہاز کی طرف سے جنگل پر لگی ہوئی گرنے کے لئے سدائی بنایا تھا۔ اور پھر بڑی مستعدی سے گویا اس میں وہ دوسرے کے لئے وہاں غواہیں کو پرہیزگرم کی ٹینڈی اس انداز میں بکھانے لگا گویا انھیں آج ہی سکھانے انجینئر جاکے چھوڑے گا۔ جیلڈ بڑے انہماک سے اس کی گفتگو سنتی رہی۔ ابوتہ نے انہماک سے ایک جملہ لکھی اور اسحاق کا ہاتھ پکڑا کہ پچھنے لگی ہو گیا ہے۔

”وہ کیا ہے؟“ واصل ایک جہاز تھا۔ اسحاق کو کوئلے جانے کے ایک طرف لے جانے کا۔ جہاں چند تانے کی ٹنگیوں کے چھ چڑو میٹر اور تھوڑی سی قسم کے آواز لگے ہوئے تھے۔ اور سائل اور ٹیل تیلیاں بھی چلتی اور کبھی ٹم بہر جاتی تھیں۔

اسحاق نے کہا: ”مجھے کیا معلوم۔ ملانی سے پوچھو۔“
”اور سے وہ تو بڑا ہی ہے۔“ وہ تو خود غواہ ٹیمیں کھلانی میں یہاں آئی۔ پھر میں نے کوئی جہاز بھی اندر سے نہ دیکھا تھا۔“

سنانا کا ہاتھ اسحاق کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن جب ٹنگیوں میں وہاں پر لگی تو سنانا نے اسحاق کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

ٹنگیوں نے بڑی تنیدگی سے آواز کے آواز کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: ”کیا ہے؟“

اسحاق نے وارنڈہ ٹنگیوں کو سب سے پہلے تک دیکھا۔ ایک ٹنگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ٹنگیوں کے سامنے اس قدر قریب کوئی تھی۔ وہ ایک لمبے کے لئے سہا ہوا بھول گیا۔

سب کچھ بھول گیا۔ اپنے اندر گروہ سلا ماحول بھول گیا۔

ٹنگیوں نے اسے طویرت دیکھ کر کہا: ”اسحاق! وہاں۔“ یہ تھا میٹر کیا جاتا تھا؟ اسحاق نے کہا: ”دیکھو۔“ یہ تھا میٹر کیا جاتا ہے کہ آپ نے کتنی ٹیمیں بنی ہے؟“
”ماور۔“ ٹنگیوں نے سکراتے ہوئے دوسرے ہی میٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور سچائی آنکھیں ٹنگیوں پر اسحاق کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ اس طرح کہ ساری دنیا اس کے گھومتی ہوئی معلوم ہوئی۔

”ہ۔۔۔“ اسحاق نے دوسرے ہی میٹر کی طرف دیکھ کے بتایا: ”جہاز ہے کہ ابھی اور کتنی آپ بنا سکتی ہیں؟“

”اور یہاں آئی۔“ ٹنگیوں نے ہاتھ ٹنگیوں میں پکڑ لیا۔ اس کی سانس اسحاق کے دھماکا کو چھوڑ دی گئی۔

”یہ خطرے کا نشان ہے۔ جب زیادہ پل لیا جاتا ہے۔“
”خطرہ کیا ہوتا ہے؟“ ٹنگیوں نے ہاتھ اس کے قریب لگی مگر اسحاق کچھ نہ سکا کہ گروہ سے سنانا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے پوچھا: ”اور یہ تیسرا ہی میٹر کیا جاتا ہے؟“
”یہ کہ پر انگلیوں کے دباؤ کو ظاہر کرتا ہے۔“ اسحاق کی آنکھیں جھڑپ سے چمک رہی تھیں۔

دونوں ٹنگیاں کھل کھل کے ہنس پڑیں۔ جیلڈ بھی دڑتے دڑتے آئی اور لپکا بات تھی۔ لمبے بھی بتاؤ۔

اسحاق نے کہا: ”کچھ نہیں سمجھتا۔“ گویا اس نے اس کے دباؤ کے مصلحت سناوات کر رہی تھیں۔ اب بھی بتاؤ۔

ملانی بتا لے گا۔ ”گھیس کو دباؤ۔“ اس کے دباؤ سے ٹنگیوں پر آتا ہے۔ انگلیوں کا دلہیم۔۔۔

۔ جیسا تو نہیں ہی مگر ہاں ہی گئے ہیں۔ وہ دراصل مجھ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ مگر انہیں جرات ہی نہیں ہے کہ مجھے باتھ لے سکیں :-

۔ شاید یہی قصہ اسے بنیاد کی غلطی ہے :-

۔ نہیں مگر وہ مجھے چوم بھی نہیں تو میں چاروں کی ایسی نفرت ہے مجھے اس کو تو کی سزا :-
۔ چاروں سے نفرت ہے اس کے لئے روٹی کیوں ہو :-

نیک کر دوں گی کہیں نہیں اتنا۔ جب اس آدمی کی بے فوجی جنت دیکھتی ہوں تو رونا آتا ہے۔ جب اس کی بڑی صحت دیکھتی ہوں تو میرے منہ کی کسی کے دم نہیں روک سکتی :-

عجیب عورت ہو :- اسحاق نے کہا۔

۔ ہاں ہوں تو سبھی ۔ حمید اپنے آنسوؤں میں ہنس چکی تھی اس کے آنسو انھوں سے چھٹک کر روتیوں کی طرح اس کے رخساروں پر ٹپک گئے۔

اسحاق اپنے نرمی، وہال سے بڑی احتیاط سے اس کے رخساروں سے آنسو ہٹانے لگا۔
۔ جیسے وہ عورتوں کے دل سے ٹپکے ہوئے اس کا ہاتھ کاٹنے لگا۔

اتنے میں انگوٹھوں کو رت ڈال دیا جہاں جیلر رہتی تھی۔

جنگلوں کو رت میں جیلر کا غلیظ، ایسا تھا۔ جیسا کہ جیلر ایسی لڑکی کو جوتا جاتے مگر رچنے والے کے گرد لڑکھائے کرتا ہے۔ اور کسی، چنے والے کو لڑکھائے کرتا ہے۔ کہیں مگر اور رچنے والا دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھکا اور غصہ ہو جیتیں اور احوال بدشعور کرتے ہیں۔ ایسے احوال میں نہ تو گردش نظر آتا ہے اور اس میں رچنے والا، ایک عجیب و غریب اضطراب کی کیفیت، دونوں پر چھائی رہتی۔ لیکن کبھی کبھی یہ دکان دکانیں اس طرح شے و فکر ہوتے نظر آتے ہیں کہ جیت ہوئی ہے کہ دکان کون ہے اور دکان کون ہے۔ جیلر میں غلیظ میں رہتی تھی وہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیلر کے منہ کا ایک حصہ ہے یا جیلر ہے وہ خود اس دکان کا ایک اضافی بیکری ہے۔ غلیظ میں گھستے ہی ایک چھتا جا بجا نہ نظر آتا

تھا۔ جس کی کوئی کچھ نہیں ملے جوئے نگہوں سے اس سے اس کے پھل بڑی خوش نما ہوں سے آنے والے کو لگتے تھے۔ پر آندے کا فوجی غلیظ ہے سے فوراً ہوا تھا۔

۔ ہر گھنٹے کا ایک دروازہ ڈرائنگ روم میں لگتا تھا تو دوسرا بیڈ روم میں۔ یہی حال ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ بیڈ روم لگتا تھا تو دوسرا بیڈ روم کی عوی کے کمرے میں۔ جس نے جیلر کو بچپن سے پالا تھا۔ یہی حال بیڈ روم کا تھا جس کا ایک دروازہ ہر گھنٹے میں لگتا تھا تو دوسرا ڈرائنگ روم میں اور تیسرا بیڈ روم کے کمرے میں جہاں جس کے بچپن میں دروازے تھے۔ ایک دروازہ کچن میں جاتا تھا دوسرا دروازہ باغ روم کا تھا۔ تیسرا دروازہ پچھراڑے سے ملازموں یا غلیظ عاشقوں کے داخلے کے لئے تھا۔ دکان کی ہیئت دیگر کا سماجی گرافہ ہوا کہ جیلر ایک ایسا گھر ہے جس کے ہیئت سے دروازے جیسا قہور کی چاب برآمد سے میں آتے ہیں ختم ہو جاتی تھی۔ اور اس کے بعد وہ پڑنا لپے اپنے پیچھے پر ہر قسم کے قدروں کی چاب اور وہی کی حفاظت جذب کرایتا تھا۔ ڈرائنگ روم میں دو دروازے پڑے تھے۔ دو نشیماں روم درمیان میں۔ یہاں تک کہ ہر ایک لپ کے پیچھے پر مگر ریشمی جالی پڑی ہوئی تھی تاکہ روشنی اور چھٹیوں کے آئے۔ اور ایک آپ بیلوہ و گن معلوم ہو۔ ہر گھنٹے میں اساتنے ہی ڈرائنگ روم کی باہر کی دیوار پر ایک صورت کی عریاں تصویر تھی جو خانہ گھر کی بیگم کی لولہ یا دیک سے کوئی کئی تھی۔ ڈرائنگ روم کے اندر بھی اس طرح کی مصوری کے لوار میں تھے۔ اسکوٹرو رنگ اور ڈبل ڈرافٹ سے کھوئے ہوئے۔ میرے پیادے امریکہ کو گھسی دھوئے آتا ہے۔ شاد میں میں لپوں پر، ہالام اور لکا گر کے خوب خانوں پر، جہاں یہ شطاف اور یورین جم بچتے ہیں، لولہ گر پریر کے ہی رنگیں چھاپا پانی پر جہاں انھیں اکاؤنڈ کے پیکر میں ڈھکا ہوا ہے۔ اس برق رفتار جہاں جیسا زون پر جو ہر گھنٹہ دونوں میں دکان دکان کوئی نیک کے کھٹے کھٹے میں بکھیر دیتے ہیں۔ میرے پیادے امریکہ۔ گندم کی خیر، باجوں والے، ابراہام لکھ کے آئینہ شس والے، دانت و بڑی کی

عظیم فلسفے، درمجموعہ غور و غور تھی ہے۔ لیکن اس غور و غور کی ایک نئی تہ کے نیچے کسی خوشامگ
 ہمایا نگ نیکال خدمت ہے۔ لیکن یہی جب بندھ ٹوٹ جاتے ہیں، جب کوئی ہوا اور گروٹ
 لیتا ہے اور اس دور کی سطح کے کسی سوراخ سے گرتا ہو جاتا ہے تو یہی نکلتا ہے تو کیسے پھر نیا
 آجاتے ہیں، بہتیاں بھڑپاتی ہیں، کھیت جھلس جاتے ہیں، شہر کھنڈ ہو جاتے ہیں اور
 زندگی اپنی تہذیب کو گود میں اٹھائے فنا ہو جاتی ہے۔

اور جب سماجی کو زندگی کا نیاں آیا تو اسے انسان کا نیاں آیا، کیونکہ انسان کی
 دھڑکی کی طرف ہے، وہ ایک اند سے کھنڈے ہوئے ٹکڑے کی طرف ہے، کروڑوں برسوں
 سے ترقی کرتے کرتے وہ اس منزل پر پہنچا اور آج اس کے فوڈ فلم احساسات و جذبات اور
 اہلیات پر ہر تہذیب و تمدن کی ایک تہذیب کی ہے، بہت پتل کی تہ ہے، بہت مضبوط
 بھی نہیں ہے۔ اس میں ہمارے لئے ہیں اور صورت میں جہاں سے لادو ایل ایل کر رہے
 آجاتا ہے، تو کچھ ہی ایک تہ کو انسان کے پاس ہے، اسی پر اس نے اپنی زندگی بنائی
 ہے، خبروں سال کی خدمت سے، تہذیب کی غور و غور تھی، تمدن کا حصہ، سماج کا حصہ
 ہر ایک کا تہذیب و تہذیب پانچوں پسند ایک کر کے بنایا ہے۔ یہ چلی تہ انسان کی زندگی کے
 لئے، اس کے ارتقاء کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ اس کا سب سے آواز ہو جا۔

اس نے گھبراہٹ اپنے کانوں کو باندھ لیا، اور خود ہی ہل چلا، نہیں، نہیں۔

یہ آج سے وہاں کی نہیں ہاؤں کا:

لیکن دو سوے دن اور پھر وہی گیا!

اپنے ذہن کو کریدتے کریدتے اسحاق نے ہار ہار کو شش کی کرید کی طرف سے
 معلوم کر کے کرید و جمیل کے ہاں دو ہاتھ کیوں کیا، کیا چیز تھی جمیل میں جو اسے شش کی حالت
 پر دو چٹکھنی لگتی تھی، لیکن اس کی حالت سے دوسرے کا جو کرید کرکے، لیکن اس کی حالت کو تو کرید کرکے کیا بتا
 کیوں انسان کو ایک فرشتے یا دیوی سے محبت نہیں ہوتی اور ایک گنہگار سے جو جانتے ہیں
 محبت اور صاف جمیل کے پلندے کا نام نہیں ہے۔ شامی سے قطع نظر آج کوئی شخص
 واقف ہے کہ کیکلے کرید کرکے نہیں تھا، اور جمیل کی ایک شکل دوسری شکل سے ذرا
 چھوٹی نہیں تھی، کہاں سے سونے کے ہاتھ کرید سے دھتے اور انہوں نے کچھ ہونے کا اور
 یہ بھی ناک والا تھا، اور روپ سنی ناک میں گنگن کے بات بکرتی تھی، محبت میں ہائی تھا
 کی ارفع ترین صورت کا نام بھی نہیں ہے، تو یہ کیا عقل یا انسان کو اپنے تہذیب کی عقل
 سے محبت ہوتی ہے، اگر ایسا ہوتا تو انسان کی وہ احساسات سے محبت کرنے کے ہاتھ
 نکلنے کی کسی بڑی کتاب سے عشق کر لیتا، لیکن ایسا بھی کرید تھا، اسحاق کی زندگی میں ایسی
 ذرا کیوں بھائی نہیں جی کی عقل کو کچھ کے اس سے شادی کر لینے کو اور ان کی صورت و کچھ کر
 تو کچھ کر لینے کو ہی چاہتا تھا، اب بات ہے کہ جب تو تہذیب عقل مند ہوتی ہیں تو تو صورت
 نہیں، پتھر کی اور تو صورت ہوتی ہیں تو عقل مند نہیں پتھر کی۔ اور یہ بھی تو صورت اور عقل مند
 بھی ہوتی ہیں تو انہیں آتی سی ایس کے جیتے اپنے اٹھا کے لے جاتے ہیں، لیکن پھر بھی اس
 کی زندگی میں سب عقل اور سب غور و غور کی دل اور تہذیب کی عقل نہیں تو انہیں اسے ان
 سے محبت کیوں نہ ہوتی؟

تو محبت میں انسان کی اپنی شخصیت کا مکمل دیکھتا ہے؟ اپنی طبیعت، اپنے دل
 اپنے ذوق کی صلاحیت؟ ایسا اس نے ہر سے ہر سے دانشوروں سے سنا تھا، جنہوں نے
 عقل محبت کو شاید ایک وہ ہادی کی ہوگی لیکن کئی فی شخص درجوں پر کر لیا تھا اور محبت اور

جنس کے موضوعات پر بھی ای گنت کتابیں چھپ چکی ہیں۔ لیکن یہ بھی کیا ضروری ہے کہ ان کی کاپیوں کو ہر ایک کو ہر ایک کے پاس رکھ دیا جائے۔

اور چراس کی اور جیلنگ کی گھوسٹ اور راج میں فوق و فہم کی کوئی ہی ملامت تھی۔
جیل سے روانہ اور جاسوسی ٹاپوں پر بند کڑی تھی اور اساق کو کھانا ملے گا اور اپنے بندے میں
پسند تھا۔ جیل کو بالی ہوئی کی بیماریاں تھیں پسند تھیں اور۔ اور اساق کو حقیقت کے کچھ ہی کی تھی نہیں
پسند کرتا تھا۔ جیل کو فوق الجہل کہتے تھے پسند تھے اور وہ اسے سفید سا دھجی میں تھپوس دیکھنا
پہاڑا تھا۔ اساق کو شہ سے راج پسند تھا اور وہ اسے ٹیپا ٹیپا لٹنے لٹائی تھی۔ اساق کو بے ہو۔
مرد کے تعلقات کو شرم و مہیا کے پردے میں ظہور کئے گا قابل تھا۔ اور جیل کی خواب گاہوں
تین طرح کے ننگے لوگ بنا ستر رکھے ہوئے تھے۔

پھر کیا انسان اجنت میں اپنی ضد تلاش کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ غیظانی ہے تو ایک فرشتے کو چاہتا ہے اور خود ایک سید ہے تو ایک اوباش کو پسند کرتا ہے؟ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اگر وہ راجہ و عزت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ اور تو ایک دوسرے کی تخلیق کرتے ہیں۔ غفلت نے انھیں بتایا ہی مسافت ہے کہ ایک کے لیے دوسرا داخل ہے۔ پھر اس نے ایسے چرپائے بھی تو دیکھے تھے جو تو ایک ہی سا چنے میں ڈھلے تھے کہ ایک ہی عزتی، ایک ہی غیبتی، ایک ہی ذوق رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے شہید ثابت کرتے تھے پھر؟ آخر غیبت ہے کیا؟

اب تک سہ ماہی محبت کی مہینیت کو جاننے کی اس نے اپنی کوششیں جاری رکھی ہیں۔ وہ اس محبت کو چاہتی ہے کہ اس کے لیے وہ کوشش کرے۔ اور ان کی کوششیں ہیں کہ ان کے تعلق میں وہ اس محبت پر قابو پالے۔ یہ کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ جب انسان کو کسی چیز کی مہینیت کا علم ہو جاتا ہے تو اس وقت اس پر قابو پالنے سے قابو پالنا آتا ہے۔

[illegible]

اس لیے ایلد — اب — اور یوں — عربی ایلد !

وہ برآمدے میں بیٹھا جھٹکا رک گیا۔ عورتوں کی قدموں کی چابکھنیوں نے ایک لمحے کے لئے اسے گمان برآور کیا جیسے اس نے آج بھی غلطی کر دی تو چاکھنی کا اعتبار ہو کر وہ اگر وہ طواف کر رہا تھا۔ اسحاق کو اس وقت بے حد افسوس ہوا۔ کیا کہ جب وہ جیل سے جھٹکے پہنچا تھا تو اس نے جیل کو اپنی میزبانی پر شک کر دیا تھا۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ اسے پاس روز جوئل میں نہ پہنچا تو وہ خود کشی کر لے گا۔ جیل نے گم کر کے کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے اس دوران میں سے ہٹا رکھنے کی ہوشیاری تھی اور اس سے کہا تھا کہ اگر وہ اپنی مندر پر اتار دے تو

وہ ہر دے بھانے کے لئے روز بولے گا۔

مگر یہ تو چکیلا تھا۔

گواہی کے لئے کی زیادہ اُمید نہ تھی۔ مگر ایک امید تو ہو جانے کی ہے۔ ایک نچلی سطح کی طرف آکر اس کے سامنے پہلوں میں گھوم رہی تھی۔ وہ عید کی منہ بستی سن سکتا تھا۔ اس کے فوٹو ایڈیٹرز والے سینٹر لوں کی چاپ مگر وہ دونوں دور و دراز تھے۔ وہ آواز نہ آتی تھی۔ اور تھوڑی دیر میں گندمی جا رہی تھی۔ آخری گاندی کے چنگ تھے۔ اب یہی سے کوئی گاندی نہ آئے گی عید کو لے کر۔ پھر وہی دو ہالے کیسے اب تک اس کو غلط ہے۔

”جمیل تو دے آئے گی۔ تو۔۔۔ تو یہ اندھیرا بالکل کلک کر رہا نہیں ہو جا رہا۔“ اس وقت اس وقت بالکل پاؤں سا ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت ایسی ہی چاہتا تھا جس کی امید کی ایک ذوق بھی نہ ہو۔ ایسا اندھیرا جس میں روشنی کی ایک کرن بھی نہ ہو۔ ایسا سناٹا جس میں آواز کی ایک لہری نہ ہو۔ تاکہ وہ آسانی سے ٹوٹ کر نکلے۔

اور گو رات بہت گہری تھی، اور اندھیرا بہت سیاہ تھا، اور سنا بہت بے آواز تھا، لیکن پھر بھی وہ سب کچھ دیکھتا تھا۔ ایسا سناٹا تھا۔ جس میں سیاہ تھی اور سیاہی ایک تھی۔ لیکن اس کے ہاتھوں میں ہر لمحے گھومتے گھومتے کہیں کہیں روشنی لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ آسمان سیاہ تھا اور زمین سیاہ تھی۔ اس میں تاریکی کی فطرتیں نکلی ہوئی تھیں۔ رات خاموش تھی پھر بھی اس کی خاموشی کے ہالے میں کتنی ہی آوازیں نکلی ہوئی تھیں۔ جھیکروں کی آواز، بچوں کے سرسراہٹ کی آواز، چھاتیوں کے کسی جنگلی جانور کے ہلکے کر گور جانے کی آواز۔ اور وہ کسی شل کی آخری ٹانگی پر چڑھی ہوئی بلی کی آواز۔ اور ہر آواز گویا زندگی کا ایک پتلا تھی۔

اس وقت اس وقت بلی کے لئے کے ہلکے تاب دار سکا۔ اور اپنے تئیں لپیٹ

کر اپنے دونوں ہاتھوں سے پائس کر کے ہونٹے کاٹنے کے اندر گیا۔ اس نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر نور سے دروازہ بند کر دیا اور دوسروں میں ہا کے اپنے بستر پر گر جا کر اسے جمیل یاد کرتی، اس کی باتیں، اس کے ہونٹ، اس کا لپٹ لپٹ جانا، اس کی سخت جمیل پٹی سلاک کو محبت تھی۔ اس نے اسے چلے روز بتا دیا تھا کہ جب تک وہ اس سے محبت کرے گی، صرف یہی کی بھر پور ہے گی۔ لیکن کب تک وہ محبت کرے گی۔ اس کا یہ خود پتہ نہ تھا۔ لیکن سے وہ دن یا دو دن یا دو سال یا ساری زندگی۔ جمیل نے اسے بتا کر اس رات جس طرف وہ ان تینوں لڑکیوں کو ٹھوکر کے چٹا کیا تھا اس کی وہ آواز سے بہت بھائی تھی اور وہ اس پر غریبی تھی۔ اور کب تک ہر شے ہوتی تھی۔ گزشتہ چھ ماہوں میں اس کی اس کا خاصہ توجہ نہ تھا۔ لڑکی بھیا اسے ہر ماہ سے اس کو سو رہی تھیں تھے۔ اس نے کہا لے چہنے کی اسے قطعی فکر نہ تھی۔ ہر ماہ چار چار برسوں میں اسے فانس کے لئے بلایا جاتا تھا۔ اسات آٹھ سو دو ماہ سے بہت بڑی تھی۔ اس نے وہ ایک ڈاڑھت تھی۔ ایک خوبصورت اور آزاد دوست، جس کا کوئی ناؤ نہ تھا۔ کل نہ تھا کسی بیٹھکی وہ وہیں نہ تھی۔ اس کی موی اور اس کا باپ اس کے گزروں پر پڑے تھے۔ اس نے وہ لگا سے کچھ نہ سکتے تھے۔ وہ چاہا ہتی تھی کرتی تھی اور اسے کوئی نہ کئے وہاں نہ تھا۔ وہیں ہر اپنے لڑا رنگ روم میں اپنے اسحاق کو تابی دکھا دکھا کر رہتی تھی۔ اور تھوڑا سا غریب لڑکا تو اپنے طے کے تابی پر غصہ کرتی تھی۔ اس کا تابی غریب تھا۔ ایسا تابی اسحاق نے طے میں دو لکھا تھا۔ کبھی بیچ پر اس کا مظاہرہ نہ ہوا تھا۔ یہ تابی جمیل کے کسی استاد سے نہ سیکھا تھا۔ شاید یہ تابی بڑھوت کے جسم میں ہوتا ہے مگر وہ چاہتی نہیں ہے۔ مگر جمیل چاہتی تھی۔ وہ اپنے جسم کی ہر ماہ سے واقف تھی۔ اور اسے استعمال کرنا بھی چاہتی تھی۔ شاید بڑھوت اپنے جسم سے واقف ہوتی ہے۔ مگر خرم دھیا کا اس س کے لئے ایک خوبصورت مردوارہ ہوتا ہے۔ وہاں کے وہ خرم دھیا کے پر سے رہا گیا بہت کچھ کہانی ہے۔ محبت جڑی سیٹھ تھا۔ ہوتی ہے۔

مگر جمیل کو یہ خبر پڑی پسند نہ تھی۔ وہ مکمل جسم خمی اور ویسا جھٹکا ہوا۔ کہوں ہوا۔ اُبلتا ہوا۔ اپنی اپنی خمی کر دیکھ دو۔ تو اسحاق نے یہ جان لیا کہ اسے ہاں سے ہرگز کے گھینٹنا شروع کر دیا تھا۔ اور جمیل روٹی جاتی تھی اور گنتی جاتی تھی لمبے لمبے مارو۔ لمبے اور مارو۔ لمبے چوسی سے مار مار کے میرا بدن لال کر دو۔ جاکتی جاتی تھی اور روٹی جاتی تھی اور اس کے ہونٹوں سے کف جاری تھا اور اسحاق نے ہر ایک گھبراہٹ کے ایک بات سن کے اسے ہانوں سے گھینٹنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے اس وحشی پر یہ حیران ہو کر وہ صوفے میں جھنس گیا تھا۔ یہ عورت اسے کتنے لاکھوں سال پیچھے لے گئی تھی۔ مگر اب یہی عورت اسے اس قدر پیٹنے لگی کہ وہ اس کے لئے سرسٹا تھا۔ اس عورت کی ہر بات پر جان دے سکتا تھا۔ اب اس کی ہر چیز اسے اپنی گنتی تھی۔ اس کا خلیفہ تھی۔ اس کے خلیفہ بیٹھے۔ اس کا خلیفہ جس۔ جمیل نے اسے جہنم کا دروازہ دکھا دیا تھا اور اب وہ وہاں پہنچ چکا تھا۔ جہاں سے ساپوں کی باجی شروع ہوتی ہے اور جہاں پیچھے کے بعد کوئی ٹھکانہ ہی سے واپس آتا ہے۔

پھر اس کے ذہن میں وہ آواز آتی تھی جو ایک عرصے سے آتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ وہ مگر جمیل جتنی جسم خمی۔ تو اسحاق تو جتنی نرم تھا۔ وہ کچھ اور ہی تھا۔ وہ کچھ سوچتا تھا۔ کچھ جھٹکتا تھا۔ کچھ گھٹکتا تھا۔ کچھ دوسرے سماجی کام بھی کرتا تھا۔ گو جمیل کی جستجو کے وہ سب کچھ غلط تھا۔ اس نے جو نہ کوئی کمرے کے لئے باسوی لاول گھلے فروغ کر لیتے تھے اور ہر ایک جمیل کو قلعہ اپنے کمرے کی ضرورت۔ تو جمی پھر بھی اس نے جمیل پر بے تحاشہ دیر بھی فروغ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اگر ہر ایک ایسا بڑا اور بے ایسی باتیں کر سکتا ہے تو میں کیوں نہیں کر سکتا۔ اسحاق نے سوچا اور اپنے دل کو تسلی دے لی۔ اب وہ دھونڈا دھونڈا کے خلیفہ بیٹھے تھا اور جمیل کو کھانا پانی میں پوسٹ کا ڈھورے گاڑ دیا۔ خمی کن کن میں نے ٹوپیوں پر نہ ڈالیں۔ اپنی دانت میں وہ جمیل کا سب سے پیارا عاشق بن گیا۔

لیکن ڈار گزرتے ہی پھر وہ اس سلسلے پر نہ پہنچ سکا جہاں جمیل تھی۔ کبھی کبھی کوئی لک

اس کے اندر پہنچ گئے تھے اور وہ کوئی جہاں اور جمیل کی اس کو دہری اور بدلتی کو نور محسوس کرتی تھی۔ اور جمیل کا اس دوسری عورتوں سے مختلف تھا۔ دوسری عورتیں جب محبت کرتی ہیں۔ تو اسے ایک پھول کی خوشبو جھوکرا پٹنے پیٹنے سے نکالتی ہیں۔ جمیل اس طرح محبت کرتی تھی جیسے انسان روٹی کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے۔ روٹی کھاتی اور پیچھم پاتی پیتا اور پیچھم اس لئے جب کسی ایسی عورت کی غذا میں کھانا ہوتا ہے۔ تو وہ کیا کر سکتی؟ جمیل نے پہلی بار کیا سانسو ہٹایا دوسری بار یہ ہم جھونک۔ تیسری بار اس نے نور غصہ سے اٹھ کر بارہویک دیا۔

گفت گوئی!

مگر یہ تو بدلتی تصویر تھی۔ دل میں ذرا اس سے مختلف طریقے سے ہوا یہ معاملہ کئی دنوں سے جمیل آتی آتی کئی ہی غذا تھی کبھی تو وہ ناچنے سے ہی اٹھ کر روٹی کبھی اس کے ساتھ کھانا نہ کھاتی کبھی سینا نہ دیتی کبھی اچھے کپڑے نہ پہنتی کبھی روئے لگتی کبھی آپ ہی آپ بیٹھنے لگتی کبھی سیدو کا بھانا بنا کے اس سے ٹک کرے میں سو جاتی ایک روز جب وہ اس طرح ٹک سو رہی تھی وہ اس کے کمرے میں گھس کر اس نے جلدی کے کسی سامنے کو جمیل کے کمرے سے باہر نکلتے محسوس کیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا اس لئے اسحاق نور سے ڈر کر کچھ سکا۔

اسحاق نے پوچھا: "یہ کون تھا؟"

"سو ہی تھیں۔" آنا کہ جمیل نے نہ پوچھا۔

مگر اسحاق کا طبع دور نہ ہوا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ اس کو میں دانتے دوانے میں کر کسی شریف کو میں نہ ہوں نہ چاہتا ہوں۔ اور جمیل تو ایسی پیاری لڑکی ہے کہ اسے صرف ایسے کو میں نہ کرنا چاہئے جس کا صرف ایک دوانہ ہو اور اس پر کبھی نہ ڈالا جائے۔

اس واقعے کے تین چار روز بعد ایک شام کو جب اسحاق جمیل کے گھر پہنچا تو قزاق لنگ دوم میں ایک آتہالی خوش پوش لڑکیاں اور نکلے ہوئے آدمی جنس جنس کر جمیل سے

بات کر کے میں مصروف تھا۔ جمیل نے تعارف کرا لیا۔ یہی منظر شریف، امر کی رہائی کے ایجنٹ محنت۔ آپ سید اسحاق؟

تھوڑی دیر تک نہیں بیٹ۔ ورنہ غامض رہی۔ دونوں مردوں نے ایک دوسرے کو دیکھا بلکہ پایا اور گولہ، پانچا پرکھا اور وزن کا اندازہ کیا۔ اسحاق کو اندازہ ہوا کہ صرف شریف کی عیب بل سے ہمارے ہی بلکے اس کے بازوؤں کی پھلیاں بھی بل سے ٹکرائیں ہیں اور اس کی گردن بھی نہ پاؤں موٹی ہے۔ اس کا دل اندر ہی اندر ریتھنے لگا کر اس نے اپنے آپ کو ڈھارس دی اور بے سے دبے سے صوفے پر بیٹھا ہوا سگریٹ چرستا رہا۔ اور اوروں کو کہ باتیں کر رہا۔

اس حالت جمیل ان دونوں کے لئے ناہی۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔ شریف چاروں کے لئے دوسرے دروازے کے قریب ایک دھڑکیوں نہ سمجھ رہا۔ جمیل صرف اسحاق کے لئے ناہی تھی۔ وہی ہمیشہ اس کی نگاہوں کا اس کی باتوں کا مرکز ہوتا تھا۔ آج وہ ان دونوں کے لئے ناہی رہی تھی بلکہ اسحاق کو یہ احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اس کے لئے کم اور شریف کے لئے زیادہ ناہی رہی ہے مگر ممکن ہے یہ میرا ہوس ہو۔ اسحاق نے بولا آج جمیل کے کیا ناہی اپنے ہاتھ سے پکڑا تھا۔ اسے وہ جلدی کی محبت کی یاد آئی۔ جب بھی جمیل نے گھبراہٹ اپنے ہاتھ سے اس کے لئے کہا انتظار کیا تھا۔ کیا بچانے کی اسے طاقت تھی۔ اس نے نرمی کو کوشش صاف کہتے ہوئے اس کا ہاتھ ٹپکی کر دیا تھا۔ آج بھی جمیل نے اپنے ہاتھ سے نرمی پکڑی تھی مگر گویا یہ پکڑی تھی۔ اس بات کی زبان پر اس طرح کا ڈانٹ تھا۔ جب وہ لوگ کھانا کھا چکے، پان کھا چکے، سگریٹ کے دوڑکے کھل رہے تھے۔ تو جمیل نے شریف سے کہا۔ آپ درجیدہ ہم میں شریف لے جائیں گے۔ اسحاق سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔

شریف ایک لمبے اور اسے مسکراتا ہوا اٹھا اور بانی ہائی کپ کے بیچہ وہم میں

گھس گیا۔

اس کے بعد جمیل نے کہا۔

بگٹ آؤت۔

اس کے بعد جتنا جھگڑا ہوا، مار پیٹ ہوئی اس کی اور شریف کی توڑواٹی ہوئی، پانچویں ٹوٹتی یا توڑ دی گئیں یا کھینچیں سے باہر پھینکی گئیں۔ وہ سب باتیں اسحاق اس وقت بھول جانا چاہتا تھا۔ وہ انکس کا پس پین تو جمیل کو بھی بھول جاتا۔ مگر جمیل کو وہ اس بے وفائی کے بعد بھی بھول نہ سکتا تھا۔ اس کی ہر بات اسے حیران رہی تھی۔ جس وقت سے جمیل نے چھوڑنا چھوڑ دیا تھا اس سے اس ساری فتنے کا حذب جاں بٹا رہا تھا اور آخری روز کی فتنے کو اپنے دل سے جھٹکا دیتا تھا۔ اس کی اپنی خود فتنی میں کیا کیا یاد کر لیتا ہے اور کیا کیا جھٹکا دیتا ہے اسحاق کا بھی یہی حال تھا۔ اسے جمیل کی ہر بات صورت آتا یا تھی اور اس کی کوئی برائی یاد نہ رہی تھی۔ یہی چیز تو کمبخت جہنت کی بات ہے۔

رات کے تین بجے اسحاق نے فیصلہ کر لیا کہ اب سب کچھ ختم ہے۔ وہ ڈاکٹی، روگے کی، اور شریف کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔ اور میں یہاں اس کے انتظار میں کھڑا رہا ہوں۔ اب سب ختم ہے۔ نہیں اب کون سی جی میں سب کچھ ہاؤں گا جیسے پرچوں کا آبشار کھینچے گا اور وہاں سے کوئی پانی ہاں دے دوں گا۔

اس نے نئے غنڈے دل سے پھینک دیا۔ اور پھر چار تان کے خوب گہری
خیمہ سو گیا۔

اکٹھا تھا اور ہلک کر اپنے قریب سوتی ہوئی جید کا پیرہہ دیکھنے لگا گیا تھا۔ ٹھیک کو کہیں ہی
ایٹھا دم، بے نیب، بے دارا سپید نور نے آئی تھی۔ اور اس دشمن میں اس کا کوئی ہوش
جیل کا پیرہہ ایک مسموم کنور ہے کہ روٹھنے سے منور نظر آیا گیا۔ صولہ این تھا اس پیرہے کے
بالے تان، جیسے وہ ایک ایسی لڑکی کا پیرہہ جو اس نے آج تک کوئی مردہ دیکھا ہو، یا وہ لڑکی
جسے جو اس نے آج تک کوئی مردہ دیکھا ہو۔

اس طرح وہ سوچتا سوچتا آگے بڑھ گیا۔ راستہ تنگ ہوتا ہوا تھا۔ دور دورے پہاڑوں
کے درمیان میں طے کی کوشش کر رہی تھی ایک جگہ پر راستہ ختم ہو گیا۔ جھڑیاں ایک دوسرے میں
فل کھیں، ان جھڑیوں کے نیچے سے اسے ایک کڑی عراب نظر آئی۔ یہاں کوئی دیوار نہ تھی، کوئی تان
نہ تھا۔ بس ایک عراب کڑی تھی۔ وہ جھڑیوں کو پیچ کر اس عراب تک پہنچا۔ عراب تک پہنچ کر
واقعہ تھی، جہاں سے سامنے کو مٹا غائب ہو جاتا تھا۔ جب وہ اس عراب کے پیچھے آیا تو
اس نے دیکھا کہ پانی میں سیٹھی وضع کی گئی ہے کہ عراب سے سامنے۔ کچھ ہوئی عراب تھی، جو
ایک تنگ راستہ کو باقی تھی، یہ راستہ کبھی اتنا شدید تھوڑے کو بنا ہوا ہوگا۔ اس وقت پتھر کی
جڑ سے ڈھلک گئے تھے۔ راستے کے ساتھ پر ایک اور چھٹی عراب تھی، جس کے آگے
ایک گھڑا قبستانی تھا۔ وہ چھٹیوں کو دیکھ کر چمک گیا، چلیں، جیسے عورتیں گھر نکلتی گزرتی
ہوئی تھیں۔ قریب قریب وہاں ہوں۔ وہی قوم ہے وہاں تھا۔ تھوڑے دنوں میں اس کی
بھی توجہ بنے گی، اس نے اسے ان تھوڑے میں بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی، وہ دھڑکے سے ان
قریوں پر گھڑے ہوئے نام پڑھنے لگا۔ اولیٰ گارڈیل، طرکس سال، سو پونہ کی جنگ
میں لڑی ہو، کھڑے ہیں، آگے مارا، ہاتھ سال، اٹھارے سال کی دوری
جنگ میں لڑی ہو، کھڑے ہیں، آگے مارا، قریب قریب سال، بیس سال، مرچوں کے
خلاف لڑتے لڑتے لڑی ہو، کھڑے ہیں، آگے مارا، اس کی بڑی روزانہ سونے اور دو بچے اپنے
بڑا سے باپ کے لئے رحمت کی کوٹھالی تھیں،

مانگو رست، دیوانے پاوسی، قابل عزت اور مضبوط۔ پہلے ایک اٹھا دیا، اس
 میں سال کے لئے کھجوریں لگیں، جان ڈیر ڈاکو اپنے گھر سے اٹھا، لکھا لکھنے کی کوفٹے سے
 حریف لڑائی کی گلی سے ڈھونڈنے کے کس کوٹوں سے اٹھا، جیسے کھڑی شطرنج سے ایک
 سہرا اٹھا لیتے ہیں۔ اور پھر اسے رکھ دیا، جو پھر پانچ یا آٹھ سو سال میں یا سین میں اس
 کے ہاتھ میں ایک بندوق دیدوار سے مرہانے کو دیا، مسٹریاں کر کے رکھ دی گئی ہیں۔
 ابھو کوٹوں کا دودھ لکھنے کے بڑھوں سے نہیں چٹا ہے، ابھی تو اس نے ہی کوٹوں کا شال
 بھی نہیں کھینچا ہے، شاید کسی سے پڑا بھی نہیں کیا ہے، ابھی مریاں نہ کر، اس چھوٹی چھوٹی
 باتوں کا اٹھا، اسے کچھ انگلیوں میں اور پھر رکھ دیا، اسے ایسا اور ایسا کر کے میدانوں میں
 پھاڑیوں پر پھرنے اور وہیں میں جاسا ہوا ہے اور تاجا ہے اور قتل ہے، پٹ سی ہے اور
 چائے ہے، جہاں روٹی ہے اور چائے ہے، گندم ہے اور جھوک ہے، ریٹ ہے اور
 ایک کوٹی ہوئی چھوٹی چھوٹی ہے، مسٹریاں کر دیاں باتوں کو، قابل احترام نہ کر، کچھ کھد
 منافع مقدس ہے صرف کا منافع ہے، صرف ایک پانچس قابل پر مشتمل ہے اس
 لئے بے خط جو کے اٹھا، وہیں منجم پتھ کو، اور رکھ دیا اسے گویوں کی بازو پر، اور جب وہ
 مر جائے تو اس کی قبر پر ایک سنگ ہو کہ صلیب کا ڈھوا اور مانگو رست مقدس اپ کی
 کھدائی رحمت سے بڑی اس دنیا میں اور کوئی چیز نہیں۔

اسحاق کا خون کھولنے لگا، اس نے جیسی شکل سے اپنے آپ کو چھپا دیا۔
 نہیں، نہیں، آئی مجھ ایسی باتیں نہیں سمجھتی چاہئیں، آئی، بیکہ وہ روز بونوں کی وصلوں
 سے گزرنے کو موت کی دہریوں میں جا رہا تھا آئی تو ہر چیز ٹھنڈی ہوئی چاہئے۔ جیسی
 ملک، برقاب! تاکہ وہ آرام سے موت کی دہریوں میں چھپتا جاوے۔

اس نے وصلوں پر لپکتے لپکتے شروع کئے، تھوڑی دیر میں وہ
 حرموت کی کھلی پر پہنچی گیا، جہاں ایک جمونے نے اسے پا کر گویا سوتا ہو گزرا رہا تھا۔

بہار کے ہاکم کا ایک پڑخا، پڑ کے آگے آگے اپنی کھلی کے کھپوں کی قطار زمری کے
 میدان کو پھیلنے میں سے قطع کرتی ہوئی چلی گئی تھی۔ پہلی اٹھ تھی، وصل، وصل، پہلی اور خاموش
 تھی، جتنی کو وہ پڑائی کی تھوڑی سی تھی، اسے سنا تھا اس کے دل پر دماغ پڑا رہی تھا۔
 وہ بہت دیر تک صلہ ترقی کے کانسے پھلنے کو دیکھتا رہا، جو پھر خور و غصہ کی
 بلندی سے پہلے ایک کھنچ کر رہا تھا، اس کھنچ کے کانسے کانسے میں کی پڑی چلی گئی
 اور گھومتے ہوئے موز پر ایک سرنگ میں داخل ہو جاتی تھی اس لئے عالم مریاں میں اپنے آپ
 کو اس بلندی سے چھلانگ لگا کر گویا کوڑا بھار کے پے میں کی پڑی پر گر گئے تھے
 دیکھا، تھوڑی دیر میں یہ بل گاڑی آئی اور اس کے ہم کے دو منجھتے ہو گئے۔ اب وہ ریل
 کی پڑی پر اپنے ہم کے دونوں منجھتے دیکھ سکتا تھا۔ سرنگ، دھواں، یہ چوتھے ہوئے
 بھی اس کے دہریوں میں پھر پڑی تک، ذاتی وہ پہلے نہوت اور پھر پڑنے کی گویا قرفنا
 کو دیکھنے لگا، وہ جو اس کے قدم آگے کو کھینکے گئے۔

یہ ایک ایک ہڈی کے جھنگلے سے کسی لئے اسے بازو سے پکڑ کے کھینچا، یہ کیا
 کرتے ہو، اس کی نواہی آواز زور سے پھلتی۔

اسحاق نے گوم کے دیکھا، اس کے سامنے اس کا بازو پکڑے ہوئے
 ایک اجنبی صورت کو دیکھی تھی، صلیب عام اس نے سلیکس پہن رکھے تھے، اس کی نیکی لگوں
 میں ایک شہسب چمک تھی، گہرا بہت دور پر پڑا تھا۔

اسحاق نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پیرتے ہوئے کہا: کچھ نہیں، کچھ نہیں، یہ پڑی
 پکڑا گیا تھا۔

وہ بٹہس: اس طرح کچھ دیکھنا چاہو، ناگ ہوتا ہے۔ بعض اوقات
 انسان۔۔۔

بہار بعض اوقات انسان۔۔۔ اسحاق چپ ہو گیا۔

وہ اس کا بازو تھامے ملتی بھی تبخار سے پرے کہم کے پٹر کے نیچے ہا کے
اس نے اس کا ہاتھ چھڑ دیا۔ ہولی۔ کیا اب تم شیک ہو؟

اسحاق نیچے زمین پر ڈھکیا۔ اس کی نا انگلیں کا نہپ یہی تھیں۔ اور نیچے گلاس کے
جسے غوثے غائب کیے کہ طرہ و بیز تھے۔ اس نے سکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:
ہاں اب میں بالکل شیک ہوں!

اپنی عورت نے اپنی مضبوط چھڑی کا اوپر کا ہک کھولا۔ اب چوڑی کے اوپر ایک
آرام دہ سیٹ بن گئی۔ اس نے چوڑی کو سٹ پر جگاڑ دیا۔ اور اپنی سیٹ پر چڑھی۔ اسحاق زمین
پر بیڑھا تھا۔ اپنی عورت نے اسحاق سے پوچھا: "اس ٹیلے پر چڑھو گے؟"

ترکوتی کے میدان کے وسط میں ایک اونچا ٹیلہ تھا۔ جب ہولی جھاکر آنے
تھے تو اسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹیلہ آسمان کو چھو رہا ہے۔ وہ اپنی عورت اس نیچے کی طرف
اشارہ کر رہی تھی۔

اسحاق نے کہا: "ابھی نہیں تھوڑی دیر میں۔"

اپنی عورت نے ڈاکر کو پوچھا: "کیا تم کو کوئی کرنے آئے تھے؟"

"نہیں تو۔" اسحاق زور سے چلایا۔ "میں تو تبخار دیکھنے آیا تھا۔"

وہ اپنی عورت اور وہ لہجے میں بولی۔ "پر سو سو بی بی ماں کی۔ کل لہجے اس کی موت کا
تاریخہ۔ جو میرے خاوند نے لہجے بھٹی سے دیا تھا۔ میں کل دن ہم اور سات میری بیٹیاں
رہی۔ ڈاکٹر کسی چار میں لہجے ڈھکی نہ رہی۔ میری ماں۔ بہت اچھی تھی۔ بہن اچھی ہوئی
ہے۔"

"مجھے معلوم نہیں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "میں بہت چھٹا سا تھا اب میرے ماں
باپ دونوں مر گئے۔ میں ایک یتیم خانے کی دلاور ہوں۔ میں خود ہی اپنی ماں ہوں۔ خود ہی اپنا
باپ۔ اور وہی اپنا رشتہ دار۔ خون کا رشتہ کیا جتنا ہے۔ تو مجھے معلوم نہیں۔ ہاں پڑا کا بھٹہ

مجھے سوچ ہے۔ اور یہ ڈاکٹر جی انھیں وہ ہوتا ہے۔ یہ پڑا۔"

وہ چپ ہو گیا۔ اور اپنی عورت کے بازو کو دیکھنے لگا۔ جس پر ایک سیاہی پڑی تھی۔
"خمداری ماں بہت اچھی تھی نا۔" اسحاق نے پوچھا۔ "ماں کیا ہوئی ہے کیا وہ
نہیں۔" یہ سب کیا ہو گیا کرتی ہے کیا وہ کسی گت آفت نہیں کرتی؟

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا بازو چھپا لیا۔ تاکہ وہ اپنی عورت اس کے پاس
نہ نہ پڑ سکے۔ اس کا سارا جسم تیز ہواؤں میں اڑکھائے ہوئے چٹے کی طرح کا نہپ سا تھا۔
پھر اس سے بازو گیا۔ اس نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی اور سمٹ بھٹ کر رونے لگا۔
اپنی عورت نے اسے ملحق ڈھاکر اس زوی۔ وہ اسے افسردہ نگاہوں سے نگہ کر رہی
اور کہتی رہی۔

"میرا نام لڑھا ہے۔ میں جس میں میرا خاوند ایک یہودی ہے۔ جنگ سے
پہلے ہم لوگ ایکس لوگ تھے۔ جہاں ایک ندی بہتی ہے جس کا نام لڑھا ہے۔ وہی
ندی سے لہجے کا نام ملا ہے۔ جنگ سے پہلے ہم لوگ بہت خوش تھے۔ میرے خاوند کی
ایک چھوٹی سی مل تھی۔ جہاں ہم بچوں کے ڈانٹاؤں والے گھر کو پڑے تاکہ تھے۔ ہم لوگ بہت
خوش تھے۔ میرا خاوند اور میری بیٹی اسی سال ماں۔ ہم رنگ شرع ہو گئے۔ چھٹا چھٹا
خاوند یہودی تھا۔ اس نے ہمیں بڑی سے جہاں چلا کر میری ماں وہیں رہی۔ پچھتہ چھٹا
بڑی مشکوں سے ہم لوگ بڑی تھپتھپے۔ لیکن لوگ وہ ندی وہاں بھی آتے تھے اور ہمیں فرائض
سے بھاگ چلا۔ پھر میرے خاوند نے سوچا کہ جو سہیل نا تھی بیٹیاں لکھی ہو گئی ہیں اور اگر
یہ پ والے نہ پڑے تو ابھی اور اتنی بیٹیاں لکھی ہو جائیں گی کہ کوئی تہنرب نہ پڑ سکے گی۔

اس نے ہم لوگ اپنی چلے آتے کہ ایک تہنرب کی لوگ اپنی طواری اور تھاری کے باوجود ابھی
شک زندگی سے زیادہ کرتے جو۔ تھا۔ میرے چروہا پر جوارم کے باوجود ایک جب مل کر کلازیت
ہے اور زندگی کے لئے ایک گھڑس کا بھڑک رہا ہے۔ ہمیں اس جیسے کام سے جیہ ہادی مل

اسحاق نے سہی بات کاٹ کے کہا: ”دیکھ تم گھٹی ہو کہ میں نہیں گھٹتا ہوں کہ تم مجھے کیا کہنا چاہتی ہو۔ جو کہہ کر ہی ہوں وہاں شک ہے میں ان جگہوں میں سے کہیں بھی نہیں گیا۔ میری بہن کی بارگاہیں دوستوں کے ساتھ آیا۔ ہم لوگ بندہ کوں میں بیٹے شرب پیٹے بیٹے بیٹل کئے رہے اور لڑکھینچتے رہے۔ شام کو بہت ہوا تو ہوں سے بچنے اکثر بازار میں بہن قدم لگاتے تھے اور وہاں مگر شرب پیٹے نگ جاتے تھے۔ کھانا لے کر شرب پیٹے ستانی پیار بھی کرتے تھے۔“

ایسا بول: ”پہلا ہی مقامات کے لئے تم لوگوں کا نظریہ بہت ہی غریب ہے۔ میں تو سوچتی تھی کہ جب درگاہی غلاموں کی بھڑی پڑی ہو تو وہی پتہ آپ کو ایک کہے میں بندہ کے شرب کیجئے پتی کہتا ہے۔“

اسحاق چپ ہو گیا اور آگے چلنے لگا۔

روز ہوں سے چند سوئیٹ اوپر جا کر انھوں نے وہ چھٹی سی مہین دیکھ کر پانی کو کر بندہ اٹھ گیا تھا۔ یہی سوچ نکلا تھا۔ اس لئے مہین کو پانی گہرا بن رہا تھا۔ دینا تھا۔ تین طرف دوستوں کا گھیرا سایہ تھا۔ چوتھی طرف بندہ تھا۔

اسحاق نے کہا: ”میں اس پر دیکھنے کو چکا ہوں۔“

ایسا لے گاں آیا اور چپ چاپ آگے چلنے لگا۔ چند سوئیٹ اوپر جا کے وہ دونوں ایک پہاڑی مہر نے کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں کے لہتے میں چڑھا تھا۔ چھپتے پہ چھپتی ٹھوکر کی شاخیں سایہ کے ہونے لگیں۔ چھپنے کے درگاہ دیکھائیں پر زور زور اوپر تنگ پہاڑوں کے تختے کھلے ہوئے تھے۔

ایسا کی پائی تھیں رست سے لپٹنے لگیں۔ اس نے اپنے ماتھے اور ڈھاروں سے پسینہ چھپا اور پھر اسحاق کی طرف بڑے فطانتانہ ذریعہ دیکھنے لگا۔ گویا کہ یہی ہو۔ دیکھو۔ تم اگر میرے ساتھ رہا تے تو اس میں دو کچھ کھتے تھے۔

اسحاق نے جواہر دیکھا کہ اپنے تختے کھلائے اور پانی جو سر پہلی گئی کیا ہے؟ گھائی کی زمین میں چند سواٹوں سے پانی زوردار سطح زمین کے اوپر چھل آیا اور یہ سب سب جاتے اس پاس چند جھاڑیاں اور پھل مہینہ رہا اور کیا ہے؟

ایسا کو پھر بیٹھے سے اٹھ بیٹھا۔ اس کو ٹھوکر کھینچنے کے لئے کھلا۔ اس نے ہڈی کے ہڈی کے ہچکے کو کھانا سا ہوا اور کسی کے گھاس پر دوڑنے کی آواز آئی۔ اسحاق اسیسا دونوں پر کھٹے ہو گئے۔ وہ دن اسے تو ان پہاڑیوں پر کوئی جنگلی جانور آنے کی خبر نہیں کہ کدو کوں جانور تھا۔ اسحاق اسیسا نے اسیسا سے گویا کہ چھپنے کے اوپر کی گھائی پر آگے دیکھنا چاہو۔ گھائی پر دوڑتے ہوئے وہ جانور پلے پاس ہے تھے۔ ایک سا دیکھ کر موت۔ دونوں اچھے تھے۔ اس پہاڑی نے اپنے اسیسا کو کام روک دیا۔ عریں۔ وہ گھائی کے حق پر دوڑتے دوڑتے کھڑے ہو گئے۔ اسحاق اسیسا سے کھاتے دور۔ اور مگر دیکھنے لگے۔ بچے اور قد سے جو سنے۔ دیکھیں وہ جنگلی جانوروں کے پیچھے سے سوئیٹ نکل آیا۔

اسحاق نے انھیں اسیسا سے اپنے پاس بلایا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ یہاں سے وہ لوگ بھاگے تھے وہاں ایک ایک گڑھا کھود رہے تھے اور گڑھے میں سے ایک بڑا ہیبت جڑی۔ بھاری۔ فوٹی اور موٹی لہو دار ہو چکی تھی۔ اسحاق نے جھک کر بڑو کو پاؤں سے کھانا اور اسے ایک بڑے کے پکڑ کر لگایا تو جڑی سے ایک چٹا سا ٹولہ ہڈی کے چھکے کی طرح سے اتر آیا اور اسے دے جو ہنایت چھید اور سختی صحت آئی۔ مہینہ کہیں کہیں یہ لکھنا بنا رنگ کی ایک مٹی کی جھلک تھی۔

تیرہ کیا ہے؟ ایسا نے چونک کر طرف اشارہ کر کے کہا۔

”مجھے کوئی معلوم نہیں۔“ اسحاق نے جواب دیا اور اس نے پھر وہاں نظر کیا۔ لکھنا بنا لکھنا کوں بلایا۔ جواہر گائی کے کنارے آجوں کے دو سیاہ چوں کی طرح کھڑے تھے۔ اور آگے سے اور بیک ہونے تھے۔ لیکن وہ قریب دیکھے۔ ان میں سے جو کھتے تھے وہ پھر

بھاگنے کی فکر کرنے سے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

جب اسحاق نے زور سے چلا کر واضحی زبان میں اس سے کہا کہ

تو وہ دونوں دھیرے دھیرے اس کے پاس آگئے۔

اورت بھی اس کی قدر قابل تھی اور سیاہ قلمی بٹنہ اور سیاہی والی جوتی پہنے

اور بھوکے تھے۔ جبر پر گھسیں پر بھی گواہت نہ تھا۔ عورت کے پیٹ میں سو گئے سیاہ اور نکلے کپڑے

تھے اور وہ صرف اپنی پستانوں کی وجہ سے مرد سے الگ پہچانی جا سکتی تھی۔ وہ اس کے

مرد کے گلوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ مردوں کے گرو، اک، اک یا تھوڑا کھاتا تھا۔ جب ایک

چار گرا کر پڑے گا باندھ کر۔ اور اسی طرح عورت نے بھی۔ اپنی سہ پہلی کرنے کی کوشش

کی تھی۔

غرضی دینیک اسحاق کی دونوں سے ہاتھ کرتا رہا۔ اس دونوں نے ہمارے

کئی بار سر ہلایا۔ کبھی اٹھا نہ۔ وہ ایک بار پھر نے مجھے ہٹا ہوا تھا۔ اب بھی دیا۔ بس

کے بعد اسحاق نے زمین میں گدی ہوتی ہوئی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اور مجھ ایسا سے جا

بو کے کہنے لگا۔ تنو اب آگے چلیں۔

غرضی دورا گئے جا کے ایسا نے اس سے پوچھا۔ کون تھے وہ لوگ؟

دھیرے دھیرے کے ہتھ دار تھے۔ اسحاق نے جواب دیا۔

ایسا زور سے پٹائی۔ تھوڑے؟

ہاں! اسحاق نے جی دیکھی سے جواب دیا۔ اور اس کا ہاتھ تھوڑا بڑھ گیا۔

دور کا ہے۔

ایسا بھگتی بول: تب تو میرے بھی ہتھ دار تھے وہ؟

ہاں۔ اسحاق بولا۔ مگر ہم میں سے کسی نے بھگتی سے ہتھ داروں کا سامنا

نہیں کیا۔ تم نے ہم سے نہیں کیا۔ ہم نے اس سے نہیں کیا؟

ایسا بول: ہر سے جو کے مسلم ہوتے تھے وہ؟

اسحاق نے کہا: ہاں وہ وہ تو ان کی جڑیں گود کر کا رہے تھے اس پر وہ گودا گند

میں بکتے تھے۔

ایسا نے غوراً غور اس کی طرف دیکھا کیونکہ زمین میں اپنی دونوں ٹانگیں بھونکا

سایہ پڑا۔ صلیبت وہ تھا۔ پھر نیلے آسمان پر ایک بھائی جہاز اڑ رہا تھا۔ پانچ سے بھی کی سمت

جا رہا تھا۔

آسمان کی دیکھتی ہوں تو میں سو سو صدی مسلم ہوتی ہے۔ پچھلے زمین کو دیکھتی ہوں تو

— تو کوئی صدی مسلم ہوتی ہے؟ اسحاق! ایسا نے تجھ سے ہمیں سے اس کی طرف

دیکھنے سے پوچھا۔

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا اور غامضی سے چلا۔ اب وہ اور ایسا گائی کے

اوپر پہنچی گئے تھے اور یہاں پہلے ایسا اور اسحاق کھڑے تھے۔ وہاں وہ دونوں وقتی ایسا کی

پتلی گئے تھے۔ تھوڑے عرصے میں اس دونوں نے جھک کر جاکو گود کر باہر نکل یا۔

اور اپنے ہاتھوں سے اس کے چپکے چپ پر کر اس کے اندر کا داس طرح بھونکا۔ بھونکا

کمانے لگے کہ کبھی گودا اور عورت میں غرضی ہی بھونکتی ہی ہو جاتی۔ ایسی شہیدہ دیشا

دند کی تھی بھوک کی اس دونوں کی آنکھوں میں۔

”دیکھو دیکھو۔ ایسا ایک عجیب کاہت اور نفرت اور دم کے طے پہلے انداز

میں بول۔

”میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں نہیں دیکھ سکتا۔ اسحاق وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اور پھر ایک بھاری کے قہقہے جھک کر اٹھ کر لے گا۔

ایسا نے اسے آ کے سنبھالا۔

فرکس لوگ چوٹی پر بیٹھے بیٹھے وہ درنگ مغربی گھاٹ کے پیچھے ہوئے سلسلے کو دیکھ رہے تھے۔
مرداروں، مصلوٹوں سے لڑائی گھاٹے گھاٹے میدان پر آجاتے۔ وہاں سے ایک بگڑا ہوا
نکار اتر رہا تھا جس کے پار سندرچک تھا۔ اور سندرچک ایک ڈاکٹ باؤس کا تھا۔

ایسا نے اپنی دور رس سے سب کو دیکھا۔ پھر اسحاق کو دکھایا۔

مادر سے یہ تو پہلی کے قریب ہی ایک ڈاکٹ باؤس ہے۔ اسحاق خوش سے پلایا۔

وہاں! ایسا نے ہنستے سے کہا۔ یہی وہاں میرا غار درخت ہے۔ ایسا کی آواز
تو ایک گہرے صلیبی تھا۔

ایسا کا گہرا صلیبی یہ ایک نر کی طرح اسحاق کے دل میں گونگیا۔ یہ پہلی بے
جہاں میری۔۔۔ جیل رہتی ہے! مگر میری سرگرمی اور تو۔۔۔

اس کا جسم سر سے پاؤں تک کاپٹنے والا۔ اس کی آنکھیں بھڑکیں۔

ایسا نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کہا۔ تو چھ ہنست کر دے۔۔۔ مگر یہیں کچھ نہیں ڈنڈا
میں ہنست صرف ایک بار جوتی ہے۔ اسحاق نے ہنستے ہنستے کہا۔

ایک بار بھی جوتی ہے۔ ایسا نے خستہ خستہ ہنسنے پر جواب دیا۔ تو کہہ رہی
ہوتی ہے۔ اور ہر بار یہ ہنست وہی بارگھڑائی تھی۔ کچھ دیر گزری جوتی ہے۔۔۔ ہنست بائیں ہنست
ہے۔ بائیں ہنست، بائیں ہنست، مگر اس وقت بائیں ہنست کچھ دیر گزری۔۔۔ ہنست کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ میں
تم سے اپنے تجربے کی بنا پر کہتی ہوں۔ گو کہ غریب کے گھر سے، اخلاقی کے گھر سے، یہ میں
کے گھر سے، اس کا اتوار نہیں کرتے مگر ہے یہ بات بالکل سچی۔ اور کچھ کن کنیوں کے دریا
ایسے جھروے دیوانہ مار دیاں تھیں۔ یہاں تک کہ وہاں کی کچھ نہیں گنتا۔ جب ہر چٹے کا
پانی مریا جا ہے اور مریا جاں جود ہو جاتی ہے۔ جب لگا ایک ستر چٹے کے لئے اور سے
ایک ستر سے لٹے کے لئے تر رہی رہ جاتی ہے۔ اور وہاں نہیں دیکھ دیکھ کر گرجا ہے کہ
اب کچھ نہ ہوگا۔ مگر یہ جہان کی ہے۔ پھر نئے پھر تھکتے ہیں۔ پھر چھٹے، اچھٹے ہیں۔ اور پھر

نفرانک ستر چٹے بیٹھے بیٹھے چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر تو اسحاق کو اس دنیا میں بہا رہا ایک ہی
بار تھا۔ اگر شام پر کبھی دس دس بجتی، اگر گھر سے رات گھر منزل نہ ہو سکتے۔ تو یہاں کس کس کو شوق تھا
میں سب گھٹتا ہوں۔ مگر کیا کروں۔ میں شاید اپنی مرضی کا ملک نہیں رہا ہوں کہ

سے بار بار کہتا ہے۔ خوب تر ہے۔ سب کچھ ختم ہے۔ اسحاق اس چوٹی سے چھٹا گیا۔
ابھی ابھی کھلے قریب دیکھا ہوا اسحاق اسحاق کہتا ہے۔ صرف دس قوم پر موت ہے
موت جسے لوگ اس کو شوق لگتے ہیں۔ وہ اس کس قدر آسان ہے۔ اس چوٹی پر کہیں لگا۔
کسی طرف بھی نہ دس قوم آتھیں۔ چنک کے پلوں، لے موت ابھارے گی۔ تو یہ قدم پر چوٹی ختم
ہو جائے گی۔ دسویں قدم پر۔۔۔ موت۔

ایسا گھبرا کے بولے۔ تم تھمتے اسحق ہو۔۔۔ واپس چلیں۔ میں تمہیں غوار لگاؤں اس
بھاڑ کی چوٹی پر لگاؤں۔

اسحاق نے کہا۔ نہیں لگاؤں۔ دو دن تک تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں نے اپنے آپ
سے چھ دن تک کے لئے دھرم کا وعدہ کیا تھا چار دن گزر گئے۔
ایسا اور وہ دونوں چپ چاپ چوٹی سے چھٹا تر لے گئے۔

ایسا کا چہرہ چاندنی دیکھ کر اسحاق کو مطلق انداز نہ ہو سکا کہ وہ اس کی ہم قریب ہے
جب ایسا نے اسے اپنی نظر تائی تو وہ چہرے میں لایا۔ ایسا روز ہوٹل میں نہ ٹھہری تھی،
وہ بازار سے نزدیک ہوٹل منتقل یہ ٹھہری تھی۔ تو کس قدر سے واپس آئے کہ وہ کئی کمالے
کے لئے اپنے ہوش بھل گئی۔ اسحاق نے اسے روک لیا۔ مگر وہ دنگ کہنے لگی۔ کئی کے سہ
میں اپنے خاندان کو گھٹا گھٹاں کی اسے اپنے تھک کی اسحاق اور گھڑی کے وقت کی اطلاع دو گئی
اس کے بعد لڑا سا سوئوں کی پھر شام کو ہم دونوں دس کے کن۔۔۔ سے گھٹتے بائیں

حصاری یہ غلامین کی بچوں نہیں چلے گی اس ہتھ کے لئے کیونکہ اگر بکری کے پانی میں سے پلانا پڑے گا۔ نیکو ہیں کہ آٹا اور پانی بکے ہوئے شغل میں پہنچ جائے۔

ایسا کہ چلے جانے کے فوراً بعد وہ ناٹنگ ہل میں لگا ہوا لے چا گیا کیونکہ لٹی کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ ہل میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ صرف ایک میز پر ایک چنگی سے منہ والا بلیکے جو ہوں اور ڈھیلے ڈھالے ہاتھوں والا آدمی کھانا کھا رہا تھا اس کے سر پر ایک مارواڑی دھنک کی پرسی تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں ایک پیٹ جڑی گڑھی چبے ہوئے تھا جس کا سچید گینڈا گرجی لٹی میرے کا تھا تو ہم اس ہزارے کو نہ ہوا۔

اسحاق نے اپنی میز پر بیٹھ کر لٹی کا آٹہ دے دیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ چنگی اور اس کے طرف دیکھ رہا ہے۔ غالباً اس کا پلانا چاہتا تھا۔ مگر جی سوچی کہ اسحاق اس کا پلانا نہ چاہتا تھا کہ اس میں بیک کھانا اس سے کیونکر بات کی جاسکے گی۔

”اے سٹرا“ چنگی میرے نے جڑی خوت سے اسے بلایا۔
 ”کیا ہے؟“ اسحاق نے اس سے کوئی خوت سے اسے جواب دیا۔
 ”یہ پاکستان والا ہے کہ کوٹھہ دیکھا ہے؟“ چنگی میرے نے میرے پر سے انہار اٹھا کر ہاتھ میں لے لیا۔

”تو میں کیا کروں؟“ اسحاق نے پوچھا۔
 ”ہمارے ملک والا اس کو کیوں دیکھ نہیں دیکھا ہے؟“ چنگی اولا۔

”تو میں کیا کروں؟“ اسحاق نے پھر پوچھا۔

”مگر یہ دیکھ کر کہے گا؟“ چنگی نے بھگ بولا۔ مگر میرے ہمتا ہے۔ ہمارے

ملک کے گورنمنٹ کو کیا ہمارا اس کو دیکھ کیوں نہیں دیکھا ہے۔ سالہ ۱۰

دیکھنے اسی سے لائی شروع ہوا ہے کہ چنگی میرے ۱۰

”ہو جائے۔ اپنے کو بھگتا ہے۔ جندوستان پاکستان میں لائی ہو تو سہا کہتا
 دل ٹھنڈا ہو۔ سالہ آدمی انہار پر چڑھ کر ہمارا خون گرم ہوتا ہے۔ ہمارا پلانا نام چھٹا کیڑا نہیں
 ہے۔ تم کو لٹی نے گھٹا بتایا۔ اور وہ ہم پر چڑھا لیں جیسا ہے۔“
 ”تم جندوستان اور پاکستان میں جنگ کیوں چاہتے؟ اسحاق نے پوچھا۔ ”کیسے
 حصار سے وہاں کوئی دھشتہ دار اسے گئے تھے؟“

”بھئیں۔“

”پاکستان سے قصوں اپنی جانیدار میرے کے جہان کا پلانا۔“

”بھئیں۔“

”پاکستان میں تم کو کس کو جانتے ہو؟ حصار کو دشمن ہو۔“

”بھئیں۔“ میں تو چھٹا ہوں۔ چنگی اولا۔ ”پاکستان میں میری کوئی جانیدار
 ہے۔ اندر دھشتہ داری۔ میری کوئی دشمن ہے۔“

”چو کیوں جنگ چاہتے؟“

”چنگی اولا۔“ تم سالہ دیکھ لو کہ جندوستان کا جانے۔ جنگ جیتی رہے۔ جڑا سالہ
 گرم ہو۔ کون کروا ہوتا ہے؟ تو ہمارا وعدہ کو ب چکا ہے۔“

”کیا وعدہ کرتے ہو تم؟“

”شاگ کی بیجی ہو۔“

”بھگ گیا۔“

”جیسا کہ اپنی میز پر کھانا مار کے بولا۔ تم کیا سمجھو گے۔ سالہ دیکھ۔ یہاں جڑا
 آدمی شاگ کی بیجی کو دھندا نہیں سمجھتا۔ نام کو جس سالہ دیکھتا ہے۔ دھندا کرتے دھنڈے

ہماری کچھ میں نہیں آیا۔ تم کیا کہے؟ بس اپنی تو یہ جانتا ہے۔ ہمارا جنگ جیتی ہے
 ہمارا گارڈی رہے تو اپنا سالہ شاگ کی بیجی پر کھانا رہتا ہے۔ سالہ جب سے کوریا

میں ملائی بند ہوا ہے، اپنے دھندے کا کچھ پتہ ہی نہیں پتا۔

”تو اس لئے تم ہاتھ جوڑ کر اور کہیں نہ ہو تو پاکستان اور جندوستان میں جنگ ہو جائے۔ جنگ میں شاید تم پہلے روزی مہرتی ہو جاؤ گے؟“

چنگیز ہنسا، بولا: ”تم سارا نڈر لگ کر ہم سے ہاتھ کرتا ہے مگر ساتھ برس کا بڑھا ہے۔“

”تو تم سارا بڑھتا تو ہو گا کوئی؟“

”ہمارا تین دہائی ہے، مگر تینوں ہمارے ساتھ کام کرتا ہے، لانا لانا دھندا

نہیں ہے، ہم شہا ہی نہیں ہے۔“

”جو بھگت بات ہے؟“ اسحاق نے کہا: ”بولنگ چنگ کی بات اس قدر لذت سے

کھاتے ہیں وہ تو کبھی نہیں اڑتے، وہ تو کبھی جھپٹ نہیں رہے، کبھی نڈر نہیں کھاتے، کبھی

گولی نہیں کھاتے اور جب جنگ ختم ہو جاتی ہے تو انھیں پہلے سے ڈاٹھیک پہلے سے ڈاٹھ

عہدہ پہلے سے فوجی وزارت سوپ دی جاتی ہے کیوں اسلئے؟ یہاں صرف تیروں ہی کی فوج

ہے، اسلئے ان کی نہیں؟ کیوں؟ کیوں؟ مجھے بتانا نا چنگیز ہے۔“

”جیسرہ نے بات کا سرٹ پھٹنے کے لئے کہا: ”سوپ تھنا ہو رہا ہے، اور سچ

یہی تم کو اپنا نام بول چکا ہوں، میرا نام جیسرہ ہے، اسحاق نے کہا: ”چت بکرا نہیں؟“

”چت بکرا نہیں، چت بکرا کہو، اسحاق نے کہا: ”چت بکرا نہیں؟“

”چت بکرا کیا ہوتا ہے؟“

”جیت عہدہ نام ہے سیٹھ، خاص کر خمار سے لئے تو ڈانگہ موزوں ہے،

بہت ہی پیارا اور عہدہ نام ہے، اپنی بیوی سے کہو وہ قصیدہ اسی نام سے پھاڑے گا

”میرا بکرا دھلی مر گئی ہے“ جیسرہ نے بہت رنجیدہ ہو کر کہا، اسحاق نے کہا: ”مہرت کی ہے

مہرت کی ہے؟“ اسحاق نے کہا: ”سیٹھ؟“

چنگیز سوپ پہنچتے پہنچتے ہنسا، اس کی بچہ کی سی مٹھیں چھڑانے لگیں، ہنسی کے

ساتھ سوپ کا کٹورہ اس کے پاؤں پر بکھرا۔

چنگیز نے بڑی ٹھٹھکی سے کہا: ”اس سے دیر میں مہرت کرنے کا رواج نہیں

ہے، اس کو بہت بُرا لگھا ہوتا ہے، تم سارا دیر لگ لو، جب ٹھٹھکی مہرت کی بات کریں گا، ہم

کو بھڑک کے پرو پناٹھ سے بتایا اور امار سے بولیں، ایک ڈاکٹر تین چار روپے کے کے خیر

ہے، ہم نے کہا ہم ایک دن تم سے بات کریں گا، تم کون سے انکھاریں کام کرتا ہے؟“

”انکھا، بیٹیں، کتاب لکھتا ہے، بنگ بنگ۔“

”کون سا بنگ، رینگے کا بنگ؟“

”میں کو بنگ نہیں ناول۔“

”ناول، ہم نے کبھی نہیں پڑھا۔“

”تم نے کبھی ناول نہیں پڑھا، کبھی مہرت نہیں کی، اور کبھی شوق بھی نہیں دیکھی؟“

”وہ کیا ہوتی ہے؟“

”ہائے دو بیٹھ، کئی کھانا تم نہیں کھاتے، اسحاق نے بڑی نا افسوس سے کہا،

تھوڑی دیر تک خاموش رہی، تیسرے کوڑی پر چنگیز نے کہا: ”تم کو کئی

بہان ہیں کہتے ہو؟“

”دروید۔“

”تو تم مسلمان ہو، چنگیز نے کہا: ”ایک تھوڑی دیر سے ہو چکا۔“

”ہاں۔“

”جیسی۔“

”جیسی کیا؟“ اسحاق نے کہا: ”کچھ لکھنے سے کہا۔“

”کچھ نہیں؟“ چنگیز آہستہ سے بولا۔

”کہ تو جتے کچھ تو کہو، بتاؤ، صاف صاف بتاؤ کیا بات ہے؟“ اسحاق نے کہا۔
 ”صاف صاف کہہ دوں، چنگیز جو یہ تم پر توجہ نہ کرے گا۔“
 ”میں؟“ اسحاق نے جیسی تہدیدگ سے سر ہلکے کہا کہ اس کا خون اندر سے نہ نکلے۔
 ”بات یہ ہے کہ تم سب مسلمان غدار ہو کہتے ہو۔“
 حقوزی دیر تک کہتے میں نہ ٹھٹھا رہا، ایسا ٹھٹھکا دوشا مارا اسحاق کو اپنی سانس
 تک لگے میں اس کی سانس ہوئی۔

حقوزی دیر کے بعد اسحاق نے کہا: ”میں دوسرے مسلمانوں کی بات بھیج کر تاج
 صرف اپنی بات کرتا ہوں، نہ کہ قریب کہتے ہو کہ میں؟“ اسحاق، غدار ہوں یا نہیں، سولہویں صدی
 تکمل غدار ہوں، غدار اور غدار سے ایسے ان کام کو کہ جو جندوستان اور پاکستان میں
 جنگ چاہتے ہیں، اور میں تم کو یہی بتاؤں یہ حق کہ میں صاف غدار اور غدار سے ایسے لوگوں
 کا ہی غدار صلیب ہوں، میں تو میرا آدمی اور میرا خیال اور میرا عقیدہ سے غدار ہوں۔
 جو صرف جندوستان اور پاکستان بلکہ کسی بھی دھوکوں کے درمیان جنگ چاہتا ہے۔ میں تو
 غدار ہوں غلطی کا، اور جنگ کا اور ہر آدمی کا، اور غدار ہوں تو میں کے وہ یاں بہت کا
 دغا کا اور پیار کا، میں تو غدار ہوں، بیسویں صدی کے غداروں کے پیار کا، غداروں
 ہوں میں تو کسی کی زندگی کا، محبت کے قاتلوں کا اور غدار سے ایسے غداروں کا
 جو مساک، مسکین، پر غریب لوگوں کی قربانیاں بچتے بھرتے ہیں۔“

آنگاہ کہ اسے اسحاق نے اسے زور سے اپنے تیرے سے کہیں کی بات بگڑے سے
 کے منہ پر کھینچی ماری کہ وہ سچ کہتا ہے نہ کہ وہ اس سے بات کر دیا، دین پر یا
 گری اور لڑکر عزت کے منہ پر جو کہ سچ کہتا ہوا نہیں، تک اس کا اور کون سب شے ہے
 میں حق سے جو سنے تھے وہ تو ہیں، وہی کے منہ سے اس کی گڑاس کی تھون سے باہر سے
 مسکائیے انداز میں صاف، ہے تھے، مگر تک اس کی کہانی کے بجائے اندر سے، مگر

اسحاق اس وقت تک بال سے باہر نکلا گیا تھا، مدت سے منے کے اس کا سا دل چاہا کہ نہ پا
 تھا اور اس کو بھی چاہتا تھا کہ وہ بیٹے کے ٹھکانے سے ہونے لگے کو گھنٹ گھنٹ کر مارنے
 ایسا قاتلی سا وہ اندر سے صبر کر رہا تھا، اس وقت:

حقوزی دیر کے بعد بیٹھا اور پرو پر پانچ پر پانچ کرے بیٹا کو لے کر اس کی کالٹی میں
 آئے، فیچر بولا، پرو پر پانچ صاف آپ سے کہ بات کرنے چلتا ہے۔“
 اسحاق اس وقت تک تارنگہ بیٹھنے چلا جا رہا تھا، بولا: ”بات کرنے کی ضرورت
 ہے، میں گو کہ میں کئی شام تک ایک کو کہی، دوسرے ہونے میں دھوکہ لوں گا اور یہاں سے
 چلا جاؤں گا۔“

”کچھ بھی؟“ فیچر نے دوبارہ کہا، ”پرو پر پانچ صاف آپ سے بات کرنا چاہتا ہے؟“
 ”کیا ضرورت ہے بات کرنے کے؟“ اسحاق چلایا: ”مجھے معلوم ہو جاتا ہے جب میں
 غلطی کرتا ہوں، میں نے سچ کے منہ پر بیٹھ چوڑی، ایک کر کے کا لگے کوئی حق دغا، میں
 بے حد شرمندہ ہوں، اور سچ میں اسباب ہے جیسے اس سے اسحاق بگڑا ہوں۔“
 اسحاق نے بیٹے کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے، سچہ بیٹھے، ”میں تو سچہ پرو پر پانچ
 اور وہ وہ تو اسحاق کے اشارے پر صبر میں، دھس گئے، بیٹھنے لگے، ”میں تو سچہ پرو پر پانچ
 تھا میں نے ایسی بات کہہ دی جو سب مسلمانوں کو کڑی لگتی، ام کو کیا معلوم تھا یہ سالار مسلمان
 بگڑا مسلمان ہے۔“

ہونے کا پرو پر پانچ ایک پہاڑی تھا، توجہ چلا، برسے برسے ترکوں کے سے کون
 بات چوڑائی میں لگتا ہوا اور کہاں میں ضرورت سے نہ پاؤں اور کچھ میں پتہ نہ چلتا۔
 انتہائی نیچے پورے دانت، ناک میں گھسٹ کر کتا تھا، زبان سے صرف کچھ نہ کہام ایسا تھا۔
 اس کی کڑی کڑی آنکھیں، وقت چکر نظر آتیں اور کچھ ہونٹ کا دیاں کنارہ ہر وقت ذرا
 ذرا اس دیر کے بعد گو کہ ایک طرف کس طرف کچھ باتا بھیجکے لے غدار کے اندر تک

فوری سے اسے باندھ دیا ہوا۔ اسے ہار پار چنگ کی طنز کھینچا ہو۔

سولے ہرجزی!۔ منیجر نے پرویز کو ترسے کہا۔

ہرجزی نے یوں شروع کیا۔ ہر فقرے کے سبکی میں وہ چنگ بار بار کھینچتی تھی۔

اسحاق کو پڑی دلچسپی معلوم ہوئی وہ چنگ۔ دوسرے کی باتیں سننے سننے ہی سوچنے لگا یہ اب یہ چنگ کب کیگی۔ چائے کے گلاسٹب کا اٹھا لگا ہے اس دور سے کسی نے:

ہرجزی کی رہے تھے۔ اپنی کوئی دلچسپی نہیں ملتی۔ اور تم دوسرے کا کرنے آیا کا نے کو؟

میں دنگ کرنے نہیں آیا تھا۔ پرویز منکر صاحب۔ اب آپ سے کیا عرض کروں؟

۱۔ حق کی بات تو عدالت میں ہوگی۔ پہلے تو بتاؤ۔ ام نے تمہارا کیا بنو؟ تمہا پر تم نے ادارے ہوئی کو کھانا بنایا۔ اور سلا پہلے ہی کچھ منافع نہیں بڑتا۔ جب سے انگریز گیا کھانا لے سے۔ انور سے تم نے آکے ہمارے نوکر کو کو نظر آیا؟

میں نے۔۔۔ تمہارے۔۔۔ نوکر کو کو نظر آیا؟ کیا باندھ کر رہے ہو؟

اسحاق کی یہ جہت بڑھتی جا رہی تھی۔

۲۔ تم دھیانی سے سنتا۔ اور تم کو سب بتاتا ہے۔ چہوں اور بھاریں جو فوری پختہ شدتا ہے نام و دیگر۔ اور دوسرے ایک چہ چڑی کے کرتا تھا؟

۳۔ چہ چڑی کیا؟ اسحاق نے پوچھا۔

۴۔ کاندھ کا ایک چہ نہ کھو۔ منیجر نے اسحاق کو بتایا۔

۵۔ وہ دوسرے کا کہہ کر آیا تھا۔ ہمارے نوکروں سے سب سے ہی دوست تھا۔

کرا کے لے گی۔ چہ چڑی یہ کس تھا کہ کسی کی کہہ کر جس کی طرف سے جی سلا۔ بلکہ نہیں ملگتا

لے۔ اسلے اپنے نوکر کو کو ڈانٹا۔ تم نے کوئی کی کیا بولے وہیابی بھی کر دیا۔ ام نے سب

کو معاف کر دیا۔ ہوا پر ایسا دھکا نہیں کھانگتا۔ نوکر لوگ نے باقہ دیا کا کوں کو۔ پرچی جو چھو کر ہی ہے نا سستی۔ چوڑے دھوکے ہے۔ اس نے کا کوں کو باقہ نہیں لگا۔ بول۔ ام تو پھر کوئی ایسا گاندے کے کئے کو تو پھر گھوٹا لائیں گا۔ ام نے پوچھا کیوں بولی۔ کیونکر ہم جوت ہے۔ اس کا کوں اب ہے۔ ام نے اس کو کھال باہر کیا؟

تم نے اسے کوں کھال دیا؟ اسحاق نے پوچھا۔

۱۔ میں کر دھ کوئی پانی نہیں کھاتا نہیں ملگتا ہے۔ آج نوکر لوگ پولیس کے جنگ میں نہ چاہتے۔ اگلے پولیس کے۔ اگلے دن وہ نہیں چاہتے اب نہ ملے گا کہ وہ کہہ ہے۔ مسیح سے شہ کرنا جوگا۔ اب کی کرنا کہ ام کریت ہوئی والا۔ نوکر لوگ کا دل غراہ ہو گیا تو۔ ابھی

کھانے میں ہوئی والوں کا وحشہ اچھا نہیں ہے۔ ۱۔ اسے کاہیت ہونا ہوئی ہے۔ بہت جوتا ہوئی ہے۔ اب سے انگریز دھکا آیا۔ چہ نہیں چھاؤنی والا۔ جب سے دوسرے ہمارا ہوئی

چلتا ہے۔ مسیح چلیاں۔ جنگ ہوا۔ افسانہ میں جنگ ہوا۔ کہہ کر دھ جنگ ہوا۔ سب زخمی سب ہی انگریز ہی ہیں اور دھ کر ہا تھا۔ اور ہمارے ہوئی میں دو دو بیٹ تھا۔ نوکر لوگ

پال تھا پولیس ہال تھا۔ ہر تھا۔ اب تھا۔ سب بند ہو گیا۔ ام کو لاگوں کیا دتی تھا۔ اب ہوئی کی دھشت میں کر ملگتا۔ چہ چہ پانچ نوکر لوگ کل تک ہر کھتا تھا کہ یہ گاندہ کاہندہ۔ چہ چڑی پھر دھکر

لے دھکا ہوئی کوئی کرنا ہوگا۔ ہم نے کل ہی پولیس اسکی کو پکا کر دھکر کو کو دھکا کر دیا۔ آج مالوم ہوا۔ تو پڑی کھڑی پالی ہے۔ اور دھشت سے تم آئیے۔ ہمارا ہوئی کا بڑس غراہ کر لے

کو۔ اصل دھکا کرانے والا تم ہے؟

اسحاق نے کہا۔ مجھے کچھ نہیں۔ مسیح میں ہالوں کے تصویر ہوں سب باتیں میں ابھی تھا۔ اسے کھٹے سے کھٹے ہا ہوں نہ میں کسی مرد کی کو ہانوں۔ دھکی دھکی کو۔ سیتھ لائی

ان کی سیدی باتیں ہیں۔ مجھے کو فضا لگیا۔ ورنہ میں یہاں جنگ کے ہا سے میں کچھ کھٹے سننے کے لئے آیا تھا۔ میں تو کسی کسی کو۔۔۔

یہ۔۔۔

کیا؟ کیا؟۔ کس کام سے تم یہاں آئے تھے؟ پرو پرائیڈ لے لے کر آؤ گے۔
اسحاق نے فیصلوں میں ایک کرکبہ میں یہاں بفرم جانے کے لئے آیا تھا۔
اس سے کہا:۔

ہر روزی نے سوٹ پر سے اٹھتے ہوئے کہا:۔ میں نے پالیس ہسپتال کو بچ کر
دی ہے۔ پالیس بھی اتنی ہوگی۔ دو خدا سے ایسے ہماروں کو قہقہہ بول رہا ہے کہ:

کھڑے کی حالات بازار اور ریلوے اسٹیشن کے درمیان ایک دو چلنے پر تین
پر واقع تھی۔ سب ہسپتال سمیت اسحاق کو اس وقت ذیل کر ہیٹ پوش ہوا۔ اس سے
نوشی کے اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس فحش میں اس نے اسحاق کو پائے کی پٹی
ڈال دی تھی کہلائی اور تقریباً اس سے اس میں کو سرک کی جیسے حالات میں ڈالیا ہو۔
اس کے گھر یہاں آکر ہو۔ بعد میں جب سب کچھ ہو چکا اور بہت شرمندہ بنی ہو چکا۔
روز تا چھتہ میں بہت کھنگنی تو سب ہسپتال سمیت لے کر اسے الیون سے اسحاق کے
پاس پہنچ کر اس کی فطرت بھی کی۔

سامنت ایک دو میٹر کا دھکی تھا۔ میانہ قد مگر موٹا ہے کی وجہ سے۔ وہ تھوٹا
دکھائی دینے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر سارے کاٹن پر کنگھن کو لگیوں اس کے سر سے کو
ایک جیسے قسم کی شفقت و عاقرتی تھی اس کے نوجوان تھے اور دو تہی ایک رشتہ دار
تھے وہ اس کے گھر پر نہ سے بہت تھے۔

دھندلہ رہنا بہت مشکل ہے یہاں اسامیت اسحاق کو کھانے لگا۔ مگر ہر پالیس
اشیوں پر بڑی سمیت ہے ہر گھر۔ اب دیکھ یہاں کھانا سڑک کے پوتا ہی نہیں۔ ایک
سویا ہوا قصہ ہے یہاں کی عورتاں میں۔ کوئی چری نہیں کرنا۔ کھل نہیں کرنا۔ خواہ ایک کا
کیس نہیں کرنا۔ پہلے ہر کھانا ہی خفیہ گھر کے لئے ہسپتال تھا تو اس میں اس کے
علاقوں سے لوگوں کے بھاگنے کے سوا خواہ کیس بہت آتے تھے۔ اب تو جانے لگا کہ
کیا ہو گیا ہے۔ اساتھ کی کنگھی بیچنے نکل چلا رہا ہے۔ اب سب ہسپتال کو گزاری کے
دکان سے آگئے؟ اور اس کی ترقی ہو کر کیسے؟ تو تو میرے بچے میں یہاں اور مجھے ذیل
دیا ہے کھانا ہے۔ میں کیسے کر کرنا ہوں میں ہی جانتا ہوں۔ افسوس کہتے ہیں
کہ پالیس ہسپتال کو داخل اور سرگرم ہونا چاہئے۔ اب میں کیا اسے سگری دکانوں کو اس
قدر ختم ہے جو چکے ہیں کہ کوئی ہم ہی نہیں کرتے اب میں بڑا ہوا تو نہیں سکتا زمین سے
کیا کروں بڑی سمیت ہے۔ ایسے یہ حالات بہت عرصہ گزرے واقع ہے۔ اس کو کنگھی سے
ریلوے اسٹیشن پر نکال کر رکھتے ہو۔ اور اس دور ہی کو کنگھی سے حماری لگا دیکھو۔ ایک
ہا سکتی ہے۔ اس علاقے میں یہ بہترین حالات ہے۔ لاکھوں پالیس سٹیٹوں کے پاس بھی
انہی لکھ حالات نہیں ہے۔ لاکھوں یہ حالات تم نے دیکھا ہے!۔

اسحاق نے سکر کر کہا:۔ تو مگر میں ہی بار حالات دیکھ رہا ہے۔

سامنت نے بڑی شفقت سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر کہا کہ کوئی بات
نہیں۔ بہت آہستہ مشق ہو جائے گی۔ میں ارا دانی ایسے لگتا ہے۔ یہاں دھندلے
میں حماری کوئی خاص ہو سکتا ہے۔

اسحاق نے رک رک کر کہا:۔ یہاں۔ تو۔ میں کی کو نہیں جانتا۔

دھندلہ بہت اچھا۔ سامنت کے چہرے پر فحش کی لہر دوڑ گئی۔ چورس نے کہا:

”اور یہی ہے!“

میں بھی میں بھی نہ کوئی نہیں ہے اسحاق نے نور ٹھکانہ ہو گئے کہا۔

بہت اچھا بہت ہی اچھا ہے : سامنت نے مدد کوٹھیں ہو گئے ہوا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کچھ دن ہمارے یہاں رہو گے۔ یہی تو بہت اچھا ہے میں تو یہاں پڑھیں سیکھیں میں کیا چڑے چڑے مشن لے گا تھا۔ ہاں اور اس ۱۲۰ لاکھ میں لاکھ کو پچیس بہت ہو جاتے ہیں۔ میں نہیں ایک مڑا کیل پیچ دونوں لاکھ کو اسے اور پھر سو جانا۔ چلے ہاں میں نہیں گائیں گے۔

اسے عبد المجید : سامنت نے ایک سپاہی کو آواز دے کر کہا : صاحب کے لئے ایک چائے اور لے کے آؤ : آٹا کباب کے سامنت وہاں سے چلا گیا۔ اور عبد المجید چائے کی ایک پیالہ اسحاق کو دے گیا۔

چائے پیا کر اسحاق نے حوالت کے چاروں طرف نظر ڈالی۔ حوالت میں اس کا سامنی صرف ایک سواری تھا اور یہ بہت بڑا غریب آدمی تھا۔ اور جب سامنت اس سے گفتگو کر رہا تھا تب بھی وہ دیکھا اسحاق سے غریب آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مگر میں غفلت پر تھے سے سامنت نے اس کو کوئی نوٹس نہیں لیا تھا اس سے اسحاق کو جرات نہ ہوئی کہ سامنت کے ہوتے ہوئے وہ اس آدمی سے بات کر سکے۔ چائے کے متعلق پوچھ ہی لے۔ ہاں اب سامنت اور سپاہی کے جانے کے بعد وہ اس آدمی کی طرف مڑا۔

سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ اس آدمی کا ایک کان نہ تھا۔ وہاں پہلی ایک منہ میں زخم کا جڑا سا نشان تھا جو وہ اپنے ڈسٹر تک سے لٹا تھا۔ پھر اس آدمی کو ایک بازو بھی نہ تھا آدھا بازو نکلا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک نعل ایک کا بازو نکلا ہوا تھا۔ پھر اس آدمی کی ایک ٹانگ بھی نہ تھی۔ ایک جیسا گھاس کے صحیح وسط میں بازو کی نعل سے کچھ تھوڑا ایک ٹکڑا۔ جی جی۔ دائیں بازو اور بائیں ٹانگ کے کٹ جانے سے اس کا

جسم غریب ہے ٹوٹا اور بے ڈھنگا سا ہو گیا تھا۔ مگر اس کی انگلیں بہت بڑی بہت سی اور بہت نکلی تھیں اور ایک غریب قسم کی پٹاشٹ سے منور تھیں۔ اور گھاس کو رنگ کر رہا تھا تھا لیکن جب بھی وہ سکڑا تھا تو اس کے زونٹوں میں اس کے پیچھے بھوسہ دھت کوٹیوں کی ٹوٹیوں کی طرف پھینکتے تھے۔ اس کی مسکراہٹ بے مدد و انگوار تھی۔ اور مسکراہٹ کا تعلق ہمیشہ موت سے ہوتا ہے۔ اسحاق بھی لٹھے اس آدمی کی طرف گھوڑ کر دیکھتا رہا اور اسے اس غریب و غریب انسان میں ایک غریب و غریب کشش نظر آئی۔

اسحاق نے کہا : اس وقت حوالت میں ہم سب دو ہیں۔ کیوں نہ اپنا تھا ایک ایک دوسرے سے کر دیں۔ میرا نام اسحاق ہے :

میں انت مرد بچہ ہوں :

دونوں نے بات چلی۔ انت مرد بچہ کو آجی بک اور اسحاق کی پانچوں انگلیوں ایک غریب و غریب مصالحت میں گھومتی تھیں۔ ایک غریب قسم کی جو جوری اسحاق کے جسم میں چڑھتی۔ انت مرد بچہ نے پوچھا : تم کیا کام کرتے ہو۔ اگر یہ بتا دو تو میں یہ معلوم کر لوں گا کہ تم نے کیا جرم کیا ہو گا۔

اسحاق نے مسکرا کر کہا : میں ایک ادیب ہوں :

انت زور سے جیسا اور اس کی فوہوست جیسی لے اسحاق کے دل کو بھی گایا۔ تب تو تم نے اب غریب بچہ کو اور تمہارے پاس غریب کا پست نہ ہو گا اور ہونٹ میں اگر پھٹیں نے نہیں گرق کر لیا ہو گا۔

اب کے اسحاق کی ہار تھی زور سے جھٹکے گا۔ اس نے کہا : ہاں لفظ، پھر یہ لازم ہے کہ میں نے ہونٹ کے ٹکڑوں کو ہانک کے خلاف جھاکا یا ہے اور شافی کی اٹھل پران سے دھنکا کر دلا دینے۔ ہانک لے لے اس پر سے دھنکا کر کوئی طم نہیں ہے۔ میں نے تم سے اس کے تعلق کیا کہا ہی نہیں۔ میں تو یہاں ایک اور جی کام سے آیا تھا مگر ان لوگوں

نے مجھے خلافت میں داخل دیا۔

مقبور پر دلاڑنگی کر کے کیجئے ہمارا۔

”اس اور جنگ کے مومنوں پر وہی جوئل میں تمہیں ایک اعلیٰ سیٹھ سے سپردی
بھٹن طرز ہوگی اور بھٹن کی لگائی گئی میں نے کالے کی پٹن کیجی کہ اس کے نو پر
دسے ماری۔“

مردیگر اس کے قریب ہو گیا۔ ہوا کہ تم جنگ کے حق میں رہو گے۔ مجھ کو اس
قد پیش میں آگے۔

”جیسیں، اسحاق نے شکراتے ہوئے ہا۔ میں اس کے حق میں ہوں۔ باخدا
اور دیکھو تو میں نے کیا کیا: واقعی مجھے جدا خواہی ہے۔“

”نہیں تم نے کیا کیا۔“ مردیگر اس کے اور قریب ہو کر بولا اور اس کو کہہ دیا
”تو فیصلہ کرنا خدا سے لہرایا۔“ پھر اس نے اپنا اپنی ایک اسحاق کے کندھے پر۔ کھڑک
کہا۔ ”میں ہی وہ آدمی ہوں جس نے اس کے کندھے پر کھڑکے کے تمام ہتھکڑوں کے
کڑھکوں سے دھکا کرائے تھے۔ ہتھکڑوں کے لیے سے تیرہ خفا ہیں۔“

”سب میں کچھ ہوں۔“ سیٹھ جرمز کہہ کر سب جٹا پکے ہیں۔ ”اسحاق نے
کہا۔“ انھوں نے ہم جٹے ہیں حالات تیرہ پہنچایا ہے جسیر یا سیٹھ کی شکایت ہے۔
اسحاق کچھ دیر چپ رہا۔ پھر بولا۔ ”لیکن ایک بات میری کہ میں نہیں جانتی۔“
اس اور جنگ اس قسم کے مسائل سے کیا تعلق؟ تم اس قدر تو نے مجھ سے آؤ ہو۔
تو اس مسئلہ کی دکائی دیتے ہو۔ افسوس سے لے تو روزنہ کہ کام کرنا اور اپنی خود اپنی زندگی
جٹا جٹکل ہوتا ہو گا۔“

”جٹکل میں جنگ نے یہی کی ہے ستر۔ دوسری جنگ میں یہی جوتی ہوئے
سے پہلے میں ہی تھا یہی طرح پورا انسان تھا۔ یہ جنگ نے ہی سب کچھ کی ہے میرے

ساتھ۔ میرا ہوں کہا، بازو کہا، ٹانگ کہا، دو تو ہمارے قسمت بھی جی کسی طرح کی گیا۔
”ابھی جی بڑی جی؟ اسحاق نے پوچھا۔ اس سے تو میں بہتر تھا کہ تم جانتے۔“
مردیگر نے کہا۔ ”پہلے میں ہی تمہاری ہی طرت سوچا تھا۔ جیسے آہستہ میری دانتے
مجھ پر زندگی کے حلقہ پڑی گئی۔ اور اب۔ دیکھو اب تو میں زندہ ہوں اور کوشش ہوں اور
زندہ رہنا چاہتا ہوں۔“
”تم کیا کام کرتے ہو۔“

”میں بازار میں جوتے جاتا ہوں اور چرانے جوتے بھی درست کرتا ہوں۔ میرا
کام بہت عمدہ ہے۔ اس لئے میرے پاس لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر میں یہاں
ایک۔ حق سے بہت سے لوگوں کو سنا سنا رہا ہوں۔ بازار کے دوکاندار، مجھ سے جوتے
کے۔ بازار پر پڑھ کر۔ اپنی گفتگو مجھے سنانے آتے ہیں۔ مجھ سے غور کرتے ہیں۔
بازار اور۔“ ”لیکن ان کے لوگوں کے سب سے جگہ سے کیا گیا ہی پکڑا جاتا ہے۔
غیر پکڑا۔ یہاں اس میں۔ ہاتھ لگنا۔ جوتے نہیں پکڑا اور یہاں کوئی ایک
مٹید کام کر رہا ہو۔“ ”مٹید سے نہیں۔ تیرہ تیرہ تیرہ۔“

”خدا اس لئے سب ان کے سامنے تم تھیک طرح سے ہاتھ نہیں کرتا،
تم اس کی روزی پر کات مار رہے ہو۔“

مردیگر جیسے کہ بولا۔ ”ہمارا کام کچھ بھری میں کوئی نہیں جانتا اور یہ کسی سے
کوئی نہیں جانتا۔ اپنے جوتے کا اختیار جٹا ہوں اور فیصلے کرتا رہتا ہوں۔“

”تم جڑ سے کھجے ہو۔“

”میں جڑ سے کھجے ہوں۔“

”میں جڑ سے کھجے ہوں۔“

”میں جڑ سے کھجے ہوں۔“

کے جوئے پائنے سے کندھے میں طویب آدمیوں کے جوئے بنانا بھڑکام ہے، میں بہت خوش ہوں۔

لیکن تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں، کہ ہنسنا اور جنگ کی بحث میں کون ٹپسے؟
اس سے روکنے لفظ سے اپنا ٹپک ہو، مگر اگر کہہ میں نہیں چوں گا، اور کون ٹپسے گا؟ تم میرا طے نہیں دیکھتے ہو؟ جنگ نے کوئی ٹپسے کیا ہے کیا میں نے دوسرے نوجوانوں پر روار کئے کی اہلیت جیسی خوشی دے دیں گو؟ تم بہت غلط سمجھتے ہو مشرق؟ یہ لوگ میری لاش کو دفن کر رہے ہیں۔ ایک نوجوان جنگ میں مر گیا ہے۔

یہ لوگ کون ہیں؟

میرے بھول والے، جو انگریزوں کے نالے کے دل میں آجائے کے خواب دیکھتے ہیں، ان کو کہیں کہیں، کچھ چین اور امریکا میں کچھ روس اور امریکا کی کچھ چندوستان اور پاکستان، جنگ دیکھنے کے خواب دیکھتے ہیں، میں نہیں سمجھتا، جو اشیاء تو ہیں۔

جنگ، چاہیے اور زمینوں کے پستان پائین۔

اس بات نے کہا، یہ دنیاوی سوال جنگ کو نہیں ہے، سلامی لوگوں کی زندگی ہے، ان لوگوں کے بھول تم کو ہے، میں اپنی سیال آتے ہیں، انگریز چلے گئے، مخالف فوج ہو گیا، اب یہ لوگ انگریزوں کو دایس لے کے خواب نہ دیکھیں، جنگ کرانے کی کوشش نہ کریں تو کہا کرنا۔

بہت کچھ کہہ سکتے ہیں، اور جو مجھ نے زور دے کر کہا، مگر یہ آرام طلب اور کامل میں، اور آرام سے روچہ کھانا چاہتے ہیں، میں بھی تو کندھے کے جھلا چاہتا ہوں، میں بھی یہاں کے ایک دو جرنیلوں کو پاؤ دیکھنا چاہتا ہوں، میں بھی تو اس کے بازار کے دھن کو چرخت دیکھنا چاہتا ہوں، مگر میں دیکھتا ہوں، اب یہ کام چھڑانے ڈھب سے ہو گا، اخبار، روپے روز پر کھڑے دیکھ کر کندھے کے کھن دیکھنے کی طاقت

کس میں ہے؟ ان لوگوں کا چنے کرانے اگر کسے نہیں گے، لیکن میں لوگوں کے بھننے کی کیا ضرورت ہے، ہر کچھ میں ہار و ہار، آتش و دھواں، ہر پڑے ہوئے ایک روپے ہار کر، آخر کس کا دھوکا دیتے ہو، آخر آتے ہیں، دل، روتے ہو، دیکھنا ہوں کیسے بھنی سے ہر پل کو بھری ہوئی کڑیاں کندھے میں نہیں آتی ہیں، کندھے کے کسی کو ہم لوگوں تک پہنچ جائے دو، وہ خود کسی مخالفت کریں گے، مگر یہ کمال، جرنیل اور لڑے، وہ جی کیا کیا کے اس کام کو کریں گے، شربت اس کی لوگوں میں چلی ہے، کچھ خود عزت نہیں کی، عام لوگوں سے ڈرتے ہیں اس لئے ہر انگریزوں کو وہاں انگریزوں سے زیادہ منافع کمانے کے خواب دیکھ کر کھڑے

جب حالات میں شام ہوئی تو میں کی طرف تھپہ اور مٹا ہوا چروٹے ایک مسین اور ہانک انہم مراٹھی لوگ، چنے ہاتھوں پر ایک تھالی کے اوپر دوسری تھالی رکھے اور ان پر ایک اور تھالی اونگھ کئے، کھاتے کے دروازے تک آئی، بعد اچھ لے اس کے لئے دروازہ کھول دیا وہ مراٹھی لوگ تھالی کے اندر آئی، تھالیاں اس نے اپنے ہاتھوں سے چٹکی کر کے کھائی کے ایک تھی پر رکھ دیں، پھر اس نے ٹپک کر دیکھ کر پاؤں چھو اور کر اسحاق کو پر ہانک کیا اور پھر مردانگی طرف ٹپک کر بہت آہستہ سے مراٹھی میں بولے، میں آپ دونوں کے لئے کھانا لائی ہوں۔

یہ صحبت کر کے کیا ضرورت تھی، مردانگیوں، اور پھر اسحاق سے مخاطب ہو کر کہنے لگے، میں واسحق ہے، اور روز بھول میں پائے سے دھوئی ہے، اس کو ہر دھوئی لے کر کسی سے

کاٹوں میں کسی نے دیکھا یا نہیں دوسرے دن چڑھ چکا تھا کہ گلا کا بیاد اس کے ہاں پاپ نے پانڈو رنگ پہن لیا تھا۔ سکر دیا جہے جہاں بھی میں رہتا ہے اور کام روڈ پر ٹھکانہ دار کے ناکہ پر پہنچتا ہے۔

دو چار دن گزر چکے تھے پاپ نے میرا جہتے گھر میں ڈنگا۔ گاؤں کی ہر چٹھندی جیسے میرے قدم روک کر لے کر کھڑا کر دیتی تھی اور میں ان قدموں کے قاب و پھیلنگ جاسا تھا جو گلا کے تھے اور میں کوئی نہ لے کر پہنچتا تھا اور جب میں ہسپتال میں پہنچتا تھا وہاں تھا جب انھوں نے میرا روتھ کاٹ ڈالا اور میری ٹانگ کاٹ ڈالی اس وقت میں موت کے دہانے پر بھی میرا سنا اپنے سینے سے وہی قہہ پھٹا ہے۔ کچھ سماقی کیا تم کہہ رہے ہو؟ میرا کہو کہ رہا ہوں؟ انسان کیسے کسی کے قدموں کا پتہ سینے سے لگے رکھتا ہے؟

اسماقی کو جیل کے ناچنے ہوئے قہم یاد آئے اور اس نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں مجھ رہا ہوں، اگرتھا" (اسی میں کوئی بھی بات تھی جب میں اپنی بیوی پر تھپا۔ شام ہو چکی تھی۔) ٹھکانہ دار روڈ کے ناکہ پر روشنیوں میں ایک چڑھ چلا۔ پانڈو رنگ پہن لیا تھا۔ اسے کی دوکان کے سامنے ایک کھلی کے گھجے کی لٹ میں کھڑا ہو کر گلا کو دیکھنے لگا۔ گلابی رنگ کی ساڑھی میں میرا کپڑا بکراؤ تھا، دو کھٹی انچی مسلم ہو رہی تھی۔ وہ موت کی کھاگوں میں چھپا کر چھوٹی ایک ایک دھڑکی باندھ رہی تھی اور اس طرح اس کا جسم پاؤں کے انگوٹھے جیسے ہاتھ کی پونڈنگ کی طرح کھینچا ہوا تھا۔

"قہم اس کے سامنے گئے جس نے قہم دیکھا۔"

میں نہیں جانتا تھا میں کھڑا سے دیکھتا تھا، اپنی گلا کو جیسے انھوں نے ایک پھول ڈالنے سے بیاہ دیا تھا۔ کتنی خوش اور خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ میں نے سوچا میں کیسے اس کے سامنے ہاؤں کیا کہوں اس سے کیا خدائی دوسرے اس سے کہہ کہنے کو ایک حکایت کرے کہ جب میں اس کے پاس سے گیا تھا تو میرا انسان تھا۔ جب جنگ

سے واپس آیا تو آدھا انسان تھا۔ میں نے سوچا تو مجھے پہچان نہ سکے گی اور جب وہ میرے ہاتھ پر پہنچاں لے گی تو میں نکال دوں گا۔ دوسرے پاؤں تک لے دیکھے گی، میں نکال دوں گا کہیں سے ہا کر نکال دوں گا۔ میرے دل میں آکر گلا کی ہر بات اور اس کی ہر بات کے لئے جگہ ہے لیکن اس کا ہا کر رکھنے کے لئے میں اپنے جسم اور دماغ میں کوئی سی جگہ نکالوں گا۔

"خفت ۹۔ اسماقی نے اس کا ہاتھ زور سے دبا دیا۔

۱۲ گھنٹے میں وہ اپنے کام سے خالی ہو کر پانڈو رنگ کی طرف نکل پانڈو رنگ جو کھڑا ہو رہا تھا، میں تھا اور میرا تھا اور وہ دونوں کے ہاتھ پانڈو رنگ کے ہا کر گلا کے ہاتھ تک دوسرے سے مل گئے گلا کے ہا کر میں ہاتھ تک دھرا تھا، کسی موزیک پر دھڑکی ہسپتال میں ڈنگ کی سامنے، دھڑکی کے سامنے اس وقت گلا کے ہاتھوں کو پانڈو رنگ کے ہاتھوں میں جاتے دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو اچھلنے لگے اور میں اسی گھجے کی لٹ میں ایک دیوار کے درمیان میں کھڑا کھڑا لے لگا۔ اور میرے آنسو قہم نہ سکے۔ اور ہزاروں دھڑکی پر میری آنکھوں میں ہاتھوں کی جگہ سے ہونے لگا۔

قہم مجھے پوچھتے ہیں، مجھے جنگ سے اس تھکافرت کیوں ہے؟ قہم اس پوچھتے ہیں جنگ نے میرے پاؤں سے روک پال چھین لی، میں نے میرے ہاتھ سے محبوب کی کو بھینچ لی، میں سے گئے ہا کر جنگ چھین لیا، میں اس کے خلاف دھڑکیوں کی گلا کے ہاتھوں میں اس کا جسم سے لے کر خفت تھی، اسماقی نظرت انسان کا انسان سے نہ ہوتا پتا ہے۔ اس قہم زندگی سے ہوتا پتا ہے جو سے مجھ بیاہ بکار، غلطی کا کار پتا ہے۔

یہ ایک سماقی کا بیاہ سموس ہوا، جیسے اسے اس کا جواب مل گیا وہ جواب میرا کہ وہ مجھے سے غلط تھا، اس کا جواب ہوا ایک ایسی زندگی میں اپنا پتا تھا ایک ایسے خیرے سے حاصل کیا پتا تھا، جس کی طرح مجھ پر اور میرا تھا۔ وہ جواب خفت نے دیا

وہاں سے ہمیں اپنی زندگی سے دیا تھا۔ وہ ایک ایک گہری سسٹ اور طبعی ایک بہرہ کے
رنگ و بچے میں وہ لڑکی جو وہ ان کا بے اختیار بھرا منت سے پھٹ گیا۔

گیا ہوا! انتہائی بڑی بریت سے اسحاق کی طرف دیکھنے لگا۔

گرا اسحاق نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔

اس نے انتہائی کھڑکی کے کٹے اور درج پہنچایا اور خود حالات کے ٹھنڈے چھیلے
فرش پر اپنا کھیل بچہ کے کٹے لیں اس سے منگایا۔

میں دیا۔ کبھی ان لوگوں کے سر پر گوارا تو ٹھیلے ہوں، کبھی وہاں کی روک میں ٹھیلے ہوں کبھی شریعت کا
ڈانٹ کبھی جہنم والے کو پھینکا۔ یہ تمام سب نے تو جہاننا کر کے دم کر دیا۔

بہرہ اس نے شکایت کی کہ یہ بھائیوں سے اسحاق کی طرف دیکھ کر کہہ کر تم تو کہتے تھے
تھانہ یہاں کوئی نہیں ہے؟

اسحاق سکڑا اور منتہا دیکھ کر گھبرانے لگا۔

ایسا لے مٹس کر منت سے کہا: "تو مجھ سے جی بھلا رہی ہے ہاتھی =
اور اسو ہا تھا ہے، لوگ آٹھ بجے ہی کی تاک کر اسو ہاتھی ہیں؟"

سامنت نے کہا: "فوسی دیکھی، فوسی جگہ اور شرعی ہوئی تھی، چند دن تو ابھی
ظن سے گزرتے، آپ نے یہ تمام سب کے سب بچ پھٹ کر دیا۔"

اسحاق کھل کر کہنے لگا۔

سب یہ سب تم رہتے ہو، سامنت نے تو شرعی سے کہا: "مہل لہو یہ سب
کے گے۔" اب تم دونوں کو تو یہ تمام سب کے ساتھ ہاتھی۔

حالات کا آج بھی وہاں لگا، اور جب وہ لوگ باہر نکلے تو زور سے بند ہو گیا۔

اسحاق نے اطمینان کا سانس دیا۔

جب وہ پولیس چاک سے باہر جانے لگا تو سامنت نے بڑی تندہی سے ہاتھ
ٹھاپا، سامنت دل کا تکیہ آدمی معلوم ہوتا تھا، اور اس کے معاملے میں کسی قسم کی بے ولی

اب باقی نہیں رہی تھی، جس ایک ذرا سا فوس کا شائبہ تھا: "تو تو یہاں کچھ ہوتا ہے، اور
اگر کچھ ہوتا ہے تو لوگ ضمانت دیتے کہاں ہیں؟"

زور زور سے مصافحہ کرتے ہوئے سامنت نے اسحاق سے کہا: "پہنچیں آگاہ۔"

پولیس چاک سے اتر کر دو تینوں چٹکے کی طرف پر ہونے، اسحاق کے قدم ٹپکنا اور تھوڑی

رات کے تیسرے پہر اسحاق کی تاک لگائی کوئی اسے زور سے بند ہوا، باقی
اسحاق شرعی کر اٹھتا تھا، زبرد سے ٹوٹا انگوٹھی میں اس نے کی ایک جیسے ہونے پہلے ہونے
پہر سے دیکھنے ہوا سے گور رہے تھے گویا کہ اسحاق نے اپنی آنکھیں ملوں اور بچہ دیکھ کر مہل لہو
اسے دھکے لے کر کشش کر رہا تھا اور اس کے سر پر ایسا لگا ہی مسکرا رہی تھی، اور اس کے قریب
سب ان کی سامنت پر بڑی حال کوہ فضا اس کے ہونے پر یہ اس کی سیوا، فرقہ دھک لگی
تھی اور نیکر جب دھک لگا تو گشتوں تک پہنچی تھی۔

ایسا لے کہا: "افسوس ہے اسحاق کو بھی دیکھو، میں نے تم دونوں کے لئے ہاتھوں
کا بندو بھٹ کر دیا ہے؟"

سامنت نے ہونکا سے ہوئے پیچھے کہہ: "رات میری تمام سب نے سونے

کی ہاتھ ہو گئے۔ لکھا ایلے اس کا بازو تمام کر گیا۔ اور وہیں اور رہا۔
 وہ سامنے کے درخت سے شیش کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”میں تو ابھی بیوی نہ بناؤں گا، اسحاق کو اسحق سے پوچھ لیا۔ کیا یہ بھی ہوشیار کا حکم ہے؟
 ایلے نے کہا: نہیں۔ عمر یہاں پہنچنے میں چاروں دن لگتے ہیں۔ مگر مجھے تو بانا ہوا۔
 مجھ کی کاڑھی سے۔ اور اب۔ اس نے اپنی کاٹنی کی گھڑی دیکھ کر سب گھڑی کے آنے میں
 صرف عین گھنٹے باقی ہیں۔ میرا سامان و ٹنگ دھوم میں لگا ہے۔ وہیں چل کر آئیں کریں گے
 اس نے انتہا میں کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمہارے پاس وقت ہے؟“
 انتہا مروٹھ کے بڑی سیدھی سے سر ہٹا کر اس کی آنکھیں خوشی سے چمک

رہی تھیں۔

شیش کے وٹنگ دھوم میں کوئی دستا، ایک بڑی بڑی ہڈی گری ایک طرف ایسا
 کا تھوڑا سا سامان، چھت کو کھٹا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

ایلے نے کہا: ”اس وقت چائے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔“

رات کے تین بجے، اب تو چائے والا اپنی اپنی دکان بند کر کے صبا ہو گا۔

انتہا مروٹھ کے کہا: ”چائے والا صبر و بردبار ہے۔ صبحی رہا ہو گا تو میں اسے
 جگہ کے چائے بخواتین ہوں۔“

تھوڑی دیر کے بعد چائے آئی۔ پتھروں سے گرم گرم چائے شیش ہونے لگی۔
 پراپرین کی چمک والی ہوئی، ایلے اسحاق اور وہو کے لپٹی اپنی کرسیاں قریب کرسیاں
 ایلے انڈی بانی کر دو لوگوں ہاتھوں میں، انڈا کر اے اپنی چھیلیوں میں آہستہ سے
 گھماتے ہوئے بولی: ”چائے کتنی اچھی ہے۔ کتنی دور سے تھی سے۔ کتنے دور کے
 ملکوں تک پہنچی ہے۔ کتنے ہی ملکوں، نسلیوں، مذہبوں، قوموں کے امتیاز کو مٹا کر انسان کی
 زبان پر وہی ایک مٹھن ڈالتے تھے۔ یہ بھی چائے کی تھی۔“

مروٹھ نے کہا: ”چائے ملا ہے۔ مگر کھانا کھانے میں دیر لگے گا۔ یہی
 کھانا یا تھوڑا کچھ سیر کر لیتی ہیں، ان کی فکرت غالب ہے۔ میری ایک بھئی ہے وہ موٹری
 برہمن ہے۔ جتنی ہے اور میری ماں سکین میں رہتی تھی وہ موٹری برہمنی ہے۔ مرنے وقت بھی
 میری ماں، چلنے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ آخری دم تک سے اپنی بھئی کے آگے لگنا نہیں دی۔ مگر
 لوگوں نے، چاہے وہ کہیں کے بھی ہوں، مگر وہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں، انھوں نے ایک کچھ
 کو وہ سہی یہیں سے نہ ملنے دیا۔ یہ نا اُمید کی کے کھنک بنگ لسان کے سینے پر لہے
 رہی گئے ایلے میں کہتی ہیں رنگ، نسل، قوم، مذہب اور ملک کے کثافات کو رہنے دو۔
 ان کو نہ بدیاؤں کو بھی برقرار رکھو۔ لیکن دونوں کو نہ ملنے دو۔ کہیں تو ایک مشترک زمین، ایک
 نامیارت، وہاں جہاں ہر لون کے انسان سر ہڈی بٹھ سکیں، یہاں وہ بیٹھے اور مرنے وقت
 ایک دوسرے کو چروا کر کھیں۔ ایسے تو یہ پروا کئے خالوں میں چھپا ہوا ہے کہ کچھ بھی لڑائیں نہ
 تھوڑی دیر تک نہ سوئی رہی، تینوں خاموشی سے چائے پیتے رہے پھر اسحاق نے
 آہستہ سے کہا: ”بہت پریشانی ہوں اور میری بھائی کچھ نہیں آتا۔ میری طرف کچھ۔ میرا
 نام اسحاق ہے۔ میرا نام رام لال نہیں ہے تو کیا اسی لئے میں تھار ہوں؟ یہ تو گویا کہتے
 ہیں۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔ مگر اسحاق تلفظ ہے تو سہرا لڑی تو رام لال سے تلفظ ہے۔
 تو وہ لڑی تو رام لال سے تلفظ ہے۔ تو تم گویا تو رام لال سے تلفظ ہے؟“
 انتہا مروٹھ چپ رہا۔

اسحاق لیٹنے سے پوچھا: ”میں مسلمان ہوں، میرا نام اسحاق ہے۔ میری بیوی رام
 ملک کی ہے۔ میں پر میں نے تو تھوڑا شوق تھا پانی ہے اور جیسا سے پانی گا۔ لیکن تم
 ہاتھ جو جب درخت آٹا ہے، جڑ مٹا ہے، پھیلنا ہے اور مچتا ہے تو وہ صرف
 زمین کے اندر ہی نہیں رہتا۔ وہ درخت کے اوپر آتا ہے اور آسمان کی طرف دیکھتا ہے
 اور اس کی فاقوں چاروں طرف پھیلنے لگتی ہیں۔ میری بیوی جڑی بندھتی ہے اور میرا

تھا بھی ہندوستان میں ہے۔ لیکن میں مثال مثال پات پات بہت سے ملکوں میں پھیلا ہوا ہوں۔ پاکستان میں اور ایران میں، مصر میں اور اٹلی میں، ہنگری اور یوگوسلاویہ میں، روس، انجمن اور روس، امریکہ اور جاپان۔ چین اور ملائیشیا۔ جگہ جگہ میں اپنے نام کی بارگشت شکستہ ہوں۔ کہیں پر جو کوئی میرے نام پر ٹھہر جاتا ہے تو میرے دل کے اندر زخم پیدا ہوتا ہے اور پھر اس میں سے سستے گناہے ہیں۔ پھر پھر نہیں ہوں میں ایک جاندار بنے ہوں۔

لوگ اس چیز کو کیا نہیں سمجھتے؟

ایسا لے کہا۔ تو انھیں صرف اپنے نام سے پکارا ہے؟

”جیس ۳۰ سماق نے جسے جس سے کہا۔ مجھے ایسا اور مدد کی تھی گلو اور ایشیائی نژاد اور سہا رام سہا راموں سے یہ نام ہے۔ لیکن میں اسحاق کی ہی موت کرتا ہوں کیا اپنے نام سے پکار کرنا قدری ہے؟

”صرف اپنے نام سے پکار کرنا اور دوسرے ناموں سے غفلت کرنا قدری ہے؟ مرنے والے آج سے کہا۔

”میرا نام ایک پھول ہے؟ ایسا پلے کے پانی کی طرف دیکھتے ہوئے ہوں۔

”تم نے بہت اچھی بات کہی اسحاق نے ایسا کہے باقہ کو بوسہ دیا۔ تم نے بہت اچھی بات کہی۔ اسی بات کو آج تک کسی ظالم نے نہیں کیا۔ ایک اور بات کہیں نہ بات آج تک نہ ہے وہیں میں بھی نکلتی اور اب تمہاری تمثیل سے کہتے ہیں پھول سے وہی شہادت ہے میں۔ عبدالحمید سالک، شعیب احمد فیض، احمد زبیر قاسمی، نذیر کاشمیری، جمیل شافقی، قرآن امین حمید، باجرا مسرور، محمد من عسکری، مہلوٹ، مٹا جیس، شفیق الرحمن سید۔ سے ہر شخص ایک پھول ہے۔ ایک کتاب ہے۔ وہ ایک انسان کی ہے۔ یہاں لوگوں سے کہیں نہیں ملدیں گی پاکستان میں کیا، لیکن میں نے ان لوگوں کی کتابوں پر بھی تیرا۔ ان کے دل کی دھواں شکل ہے۔ یہ مختلف سیاسی اور سماجی حقائق دے گئے ہوتے ہیں۔ مگر ایک

پھول کی دوسرے پھول سے نہیں ملتا۔ لیکن یہ سب پھول ہی تو ہیں۔ سب انسان ہی تو ہیں۔ سب کتابیں ہی تو ہیں۔ تمہارا سنے ہو۔ میں ایک عرب ہوں اور صوبہ جنگل زدوں ملکوں کے جنگل زد ہندوستان اور پاکستان میں جنگ کرانے کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو میرا دل دھڑکنے لگتا ہے میں سوچا ہوں کیا میں بد وقت کے رہی ہوں گلوں کے کہتے ہیں پر ہندوؤں کو گلوں کے مجھے اپنی پہاڑ کی طرف غریب چپ؟ فوراً سوچ تو یہ کہیں کہیں کی طرف کی طرف کی طرف ہے۔ صرف اپنے وطن سے غرت کرو۔ دوسرے تمام ملکوں کو گلوں۔ نہ یہاں، قوموں، انسانوں سے غفلت کرو۔ اور اگر موقع ملے تو بد وقت کے رہاں کا کرکھی ڈالو اور اگر کوئی ایسا کہنے والے کے سر پر چڑھ گئی ہوتی تو اسے مارا۔ میں یاد کر دو اسحاق نے فیض سے سر پر چڑھ گئے کہا۔ لیکن میں تو مجھے یہ اسلام بتاتا ہے سمجھتا ہے ایک گوی غلط ہے ہوں؟

”دیکھ لے اپنا آج ہی ایک سماق کے شالے پر کر دیا۔ اور جب وہ اپنی باقہ اسحاق کو اپنے شالے پر کھوں بد وقت کی ایک تھک سا گانا۔ اس میں معلوم ہوا جیسے وہاں گہری غلطی نہ کیا کہ نہیں ہے۔ اس کا ایک ساتھی بھی ہے اس جنگ میں اس سے کہیں زیادہ نقصان اٹھایا ہے۔ اسحاق کی کٹھن میں وہاں ہر گھپ ہو گیا۔

”دیکھ لے کہا۔ مگر فیض سے باقہ کی گہری کے سر پر ملدے ہیں سے اس نے چلے گا۔ جنگ کے خلاف میرا ہی ہندو بہت ہے ہی پاس، مختلف ہے۔ گھبراہٹ اور غصہ وہ طرحوں سے جاری رہی پاتا ہے۔ جنگ تو بہت ہے۔ جیسے ہی وہاں کے نام بہت پر اسے جوتے ہیں، اور یہ لوگوں کے تم نے نام لے، ان سے بھی زیادہ پدار سے لوگ ان کے ملک میں ہوں گے جنہیں کوئی جیس جانی۔ اور ایسے ہی چارے لوگ تو لیا کے ہر کرنے میں شہد اور ہر کیا کہتے ہیں۔ اپنے ناموں، اپنے مذہبوں، اپنے کچھوں، اپنے اپنے تمدنوں کے ساتھ اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ وہاں میں زندگی کوئی کچھ پاتا ہے نہیں گوارا لے گا پورا پورا حق ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے پیرام کے نام پر یا موشلوم کے نام پر کسی

اہم کے نام پر کسی مذہبی یا ملکی مفاد کے نام پر کسی کے سر پر بددلی کے نگر ہو چکا ہو تو اسے اصل سوال یہ ہے، وہ تو جسے کس دین میں ان کے ہاتھ ہے بددلی ہو تو ان کے ہاتھ کے اور اس کے ہاتھ میں ایک پھل دینا جانا تو جانتے ہو جب ایک انسان ایک پھل کے کراہنے لگے تو کسی دین میں سے فیصلے کے ہاتھ کو تو برا معنی معلوم ہوگا۔ ہوگا تو برا نہیں؟



مرد کی نظر سے کہا: مگر کیوں آسمان کا منہ نہیں ہے؟ (جس کا جواب بھیج کر اس کے باق
 میں پھول دے دینا!)

اس واقعے نے اسے کانٹا بنایا۔ اسے کہہ دیا کہ تم جیسا کہ چاہو۔ جو کہ تم نے مجھے اعلانِ شہین کے سامنے کواہنی دیا کہ مجھے کوکا تھا۔

۳۰ دوبرہ گز اور کم تو حصار کی ہیئت نے بدل ڈالا۔ اب تم اکیلے جی اس تہذیب کو دیکھو گے
تو آج تک جاؤ۔ اسحاق نے کہا۔ کل چل جانا۔

”میں نے اپنے آپ کو بے گناہ سمجھا کرتا تھا۔“

Digitized by Google

تجربہ کاروں کی طرف سے

۱۰۔ اچھا توں کہ جو جی سے چل جائے، اچھا توں جیسی ایک دوسری چلنے کے لئے
جیسی کہ رہا ہوں۔ چلنے کے لئے کہ ایک ہے۔

مذہبی حیلہ بازی سے جان بچنا:

میری زندگی میں اس حقائق نے سکڑا کر کہا۔ مگر ایسا بالکل ممکن نہ رہی تھی۔ اس سے پہلے
 چہرہ فاق تھا۔ اس کے ہونٹ اندر کو کھینچے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑ
 گئیں اور اسحاق بالکل ڈکھڑکھڑا کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہی۔ وہ ایسا کہ اس
 تھوڑا سا گھر میں۔

اس نے ایسا ہی پوچھا: ”بھئی، تم نے کیا کوئی ایسی بڑی بات کہی، جو تم نے
 یوں منہ دکھائی، جو اس بات کو مجھے صاف کر دو۔“ مادام: ”
 ایسا ہوا، یہ تم نہیں جانتے، تم نے انسانی سطح پر مجھے کسی واقعے کی یاد دلادی۔“
 ”کیا؟“

ایسا بہت دیر چپ۔ جی۔ ایچ۔ پی۔ اور ایل۔ وائی۔ کے ساتھ تھا۔ ایچ۔ پی۔ کوئی کڑی گزرتی تھی۔

یہ ایک ایسا نئے کہا، جسکی کوئی علم ہوتا ہے، وہ چیز کا سنہ ۱۹۷۰ء ہے۔

بگایا کر کے اٹھا کر دھو دیا۔ چھ۔۔۔ نوں ہڈی اٹھ کر سے جاگ کر چھ چھ چھ گئے تھے۔

پہلے ایک بڑی سیڑھی تھی۔ اس نے وہ جہاز سے ساتھ تھے۔ جب سڑک سے گیٹر کو پار کرنے کا موقع آیا تو آگے ٹوٹ جہاز کی سڑک پر چلے گئے۔ انھوں نے تیار ہیں سے چلانے کے لئے جیپ

۱۹۱۱ء کے ہائے شباب میں وہ اپنے بھائی - بھینسے میں مصروف تھا کہ اس نے اپنے ایک دوست کو دیکھا کہ

چند روزوں کے بعد اس وقت اسٹوڈنٹس پر پہنچ جائیں گے۔
 چنانچہ اس وقت ان تمام وقت پر پہنچ کر اسٹوڈنٹس پر گامزن ہوا تھا کہ ان کے

وقت آن رسید که باید از آنجا می‌رفتند.

بھگت داتا جی نے، انھوں نے بار بار آٹھ سطر کی طرف دیکھنا تھا۔

تجربہ کاروں کے تجربے سے بدلتی رہتی ہے اور ہم اس پر مبنی ہوتے ہیں۔

اور سیدھا دھننا ہوا اپنے کھنچ میں گس گیا۔ اندر دوا رنگ دھم میں جا کر اپنے صوفے میں
وجہیں لگیدیں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھریے ہوئے تھے اور اس وقت تک اس نے کوئی
اتحاد نہ کیا تھا کہ وہ اس کمرے میں لگایا نہیں ہے۔ جب تک ایک طرف سے تھوڑا

دھن تک سے تھا لا اذلا کر رہا ہوں بچہ۔

اسحاق نے پلٹ کے دائیں طرف دیکھا صوفے پر مٹائی بیٹھا تھا۔

انصواب کو پتہ نہ تھی۔ اور وہ جوت۔ صوفے اور صوفے کے کناروں سے تنگ ہونے میں
سے اس میں دوا سے کھلے ہوئے کا دھڑکے دو دانت صاف لٹکا رہے تھے اس کے
جوت لگیا ایسے تو نہ تھے۔ چہرہ صاف کی کیفیت کا آئینہ نگاہی نہ تھا۔ مٹائی بد صورت تھا۔
مگر اتنا بد صورت تو کبھی نہ تھا۔ اس کے ہموار۔ رشت کے اندر حال میں اس کی شخصیت کے
پر تو یہ کی مٹائی تھا۔ تھے مگر اتنا حقیر تو وہ کبھی نظر نہ آیا تھا۔ آج وہ کچھ ٹھیک لڑکا
ہوا۔ مہربان ہوا۔ غم مریا ہوا سا دکھائی دے رہا تھا۔

یہ ایک سماج کے دل میں ایک نوبل، اور اس نے مٹائی کا ہاتھ دوسرے
پکڑ کر کہا۔ "جیلڈ میریبت سے تو ہے۔"

مٹائی نے ہونے کی کوشش کی۔ دو ایک بار مٹائی اس کی گردن میں دھڑکے
بچے تک گھوما۔ چہرہ اس نے ساتھی پٹائی پر سے پٹائی کا بگٹ اٹھا لیا۔ اور اسے لپٹے ٹھٹھ
سے لٹکے مٹائی ٹھٹھ پٹائی پٹائی لٹکے۔

جب وہ پٹائی پٹائی کا تو اسحاق نے اور بھی گھر اگر مٹائی کا ٹھٹھ پکڑ لیا۔ اور اسے
جھنجھوڑتے ہوئے ہوا۔ "موتے کیوں نہیں کیا ہوا ہے جیلڈ؟ صاف صاف بتاؤ۔"
مٹائی نے کہا۔ "بے بی بالکل ٹھیک ہے۔"

اور جب اسحاق کو ایڈ کی ٹیرین تک کی طرف سے اٹھنا یاں پر گیا تو اس کے دل میں
دوسرا خیال آیا۔ اور اس نے فیض سے مٹائی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جیلڈ ہے بی نہیں ہے؟"
اس کی کو آنکھیں برس گئی ہیں۔

مٹائی نے کہا۔ "میں اس کو اس وقت سے جانتا ہوں۔ جب وہ انیس برس
کی تھی۔ اور بالکل بے بی کی طرف بات کرتی تھی۔ میرے تو وہ ہمیشہ بے لڑبے کی :
اسحاق نے پوچھا۔ "تم پہلی بار اس سے کیسے ملے؟"

مٹائی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور اس کے دونوں پہلوؤں پر ہنسی چمک

اس وقت اس پہلی نظر کے بارے میں اسحاق کو مٹائی کا چہرہ بڑا ٹھیک سا
معلوم ہوا۔

یوں تو چہرہ الگ ہوتا ہے، منفرد ہوتا ہے، جیسے دالے کی شخصیت کا
منبر ہوتا ہے۔ مگر اسحاق کو مٹائی کا چہرہ اس وقت بہت جگہ ٹھیک، بہت ہی ٹھیک
بہت ہی منفرد معلوم ہوا چہرہ صرف شخصیت کا منبر نہیں ہوتا، وہ حالات کا انعکاس ہوتا ہے
اور موڈ کا تصور، اور خاص خاص موقعوں پر روح کی مٹائی کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اسحاق نے
بہت غور سے مٹائی کی طرف دیکھا، جیسے وہ اسے اپنی پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ "تھا ہوا چہرہ"
پہلا رنگ کو جسے دھندلوں پر چمک کے خفیف سے نشان، مٹائی جاگ بھگ کے اوپر
ٹھیک طرح سے اٹھی ہوئی، مٹائی مٹائی کے اندر آنکھوں کی پکڑ کی کیفیت کے چہرہ سے

اسحاق نے آست سے پائل کو بگ پھانسی پر سنا خاک کر کے رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک سگرت ملنے یا ایک مٹائی کے غرض میں رکھا۔ اور سگرت ۵۰ تے ہوئے ہیں۔ "تھیں مٹا دے کسی طرح کی محبت ہے؟ تم نے کبھی سوچا ہے؟"

نیکیا مطلب؟

میرا مطلب یہ ہے کہ تم عید سے کسی طرح کی محبت کرتے ہو؟ تم اسٹیک بھان کی طرح پکا جتے، یا ایک ماشق کی طرح؟ دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

سگرت جیتے جیتے مٹائی کے گھے میں پھنسا کر چھوٹا کر دیا۔ کھانسنے کا سانس پے دم ہوا گیا۔ اسحاق نے اسے پھر پلانڈیا دیا۔ جب اس کی سانس کی آمد و رفت ٹھیک ہو گئی اور جب وہ ٹھنڈا چارمب بھی مٹائی نے اسحاق کے سائل کو کون سا جواب دیا۔

اسحاق کو اس سے ملحق پریشانی نہ رہی۔ "میں تمہارے لئے ناخنوں کا آئینہ دیدوں؟" اسحاق سولے سے اٹھتے ہوئے ہیں۔

میں نہیں رضو۔ مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔ مٹائی نے بیاہک بڑی سختی سے کہا۔ اور پھر ایک دم ٹپک ٹپک ہو گیا۔

اسحاق نے کہا۔ "تھیں عید نے یہاں بھیجا ہے؟"

مٹائی نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "عید نے مجھے سب بتا دیا ہے! بچے! "

سب؟ اسحاق نے پوچھا۔

مٹائی سب کو؟ کیسے کہنے سے تم محبت کرنے کی کوشش کی کیسے میری پہلی نے تھیں کھڑک کر دیا۔ کیسے کہنے سے اسے شرب پانگراس کی عزت لینا پڑی، کیسے اس نے اپنے آپ کو بھایا۔ کیسے تم مجھ کو میری غیر ملکی میں اس کے گھر کے پڑاؤ کا گئے تھے اور وہ ہر بار تھیں گھمگھاتی رہی، آخر تم نے اس سے شادی کی، اسحاق کی مگر میری ہے لی

زمانہ اور اس نے تھیں وہ انہ وہ کیا دیکھتے تھے اسے چاہنے کی دھمکی تھی۔ اور تم یہاں آ گئے۔ میری پہلی بڑی رحمت ہے اس نے مجھے سب بتا دیا۔ وہ میں پکا جی کر تم مرنا یا کوئی بھی مرے اس کے لئے۔ وہ تمہاری جان بھانا پکا جی ہے اس لئے اس نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں تھیں یہاں آ کے بگھاؤں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم براؤنیز ہو کہ ایک عورت کی عزت لوگے۔ میں تمہاری بڑی عزت کرتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا میں ایک ماہی کو پاؤں دبا ہوں۔ بچے! "

آپ نے مجھے نہیں پلا مشرا۔ اسحاق نے ٹھنڈے سے کہا۔ "میں آپ کے بے بی نہیں ہوں۔"

"میں نے تم کو شرب پائل کمانا کھلایا۔ تمہارا ایک طریقہ محبت سے بڑا دلکش کھایا۔ اور تم نے میرے ساتھ یہ اسٹیک سلوک کیا۔"

مٹائی بالکل وحشت زدہ ہو کر پھل پھینکنا شروع کر دی۔ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسحاق کا نون ٹھنڈے سے کھلنے لگا۔ وہ سولے سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں نپٹنے لگا۔ مگر اس کا فضا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مٹائی کی طرف بڑھا اور اس کے کندھوں پر چڑھ گئی سے، چھ دو ٹونوں باتوں کو کر رہا تھا۔ تم، موتی دم مٹائی بڑے الحق ہو کر دے الحق۔ تھیں کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ محبت کھانا آدم، انگر، فرنگی، روپیہ پیسے کے علاوہ کچھ اور بھی پکا جی ہے، وہ جو تم دے سکے، جو تم دینا چاہتے تھے، مگر دے سکے۔ بیج ٹونوں میں آج تھیں بتانا میں کہ تم دراصل ایک بھان کی طرح نہیں ایک ماشق کی طرح اسے چاہتے ہو۔ مگر تمہاری محبت میں نہیں چھٹی۔ تجھے بدول تم نے کئی تک عورتوں کو بند۔ بھوں پر پہلوں یا شرب کی رحمتوں کی طرح خریدا اور اس طرح تم نے مجھ کو ہبہ یا فوسہ دے آباد کے مٹائی ایک محبت کی محبت کو خریدا پکا یا۔ مگر تمہاری محبت نہ پڑی کہ تم چھاپ سے انگر کو کر تم کھانا چاہتے ہو۔ ہوا تم سے دو پہے پیچھے ہے

کی سزا دی ہوئی، باؤلی اجڑی کا سینہ تلخ رہی۔ مگر غبار کچھ لوگ محبت بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ جس طرح وہ اپنے پوتوں کا جو تا غریب تھے عیسا۔

اس طرح اسحاق نے سوچا مگر مٹائی سے کچھ نکلا۔ مٹائی کا جڑا سوچ گیا تھا اور اس کے برہنوں سے پہو پہ نکلا تھا۔ اسحاق نے روئی سے اس کے ہوک کو صاف کیا وہاں دوا لگائی، اور وہ سب کام دھیرے دھیرے سے خاموشی سے کرتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد مٹائی بستر سے اٹھ رہی تھی۔ اور بولا: "سب میں باتوں کو۔"

"کہاں؟"

تھوڑی دیر تک مٹائی چپ رہا۔ ایک شدید اذیت کا احساس اس کی آنکھوں میں نمودار ہوا۔ مگر دوسرے لمحے میں خاموش ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا: "جینے کے لیے کرنا ہے۔" سب میں اس میں ایک طماننت ترک کر دیں۔ اور بارہ گے کسی جہاں اس کو کوری کر دیں گا۔ ایک ساؤتھ مری جہاز پر مجھے فورسٹ، ٹینننگ کی طماننت مل رہی ہے۔ سوار سوڑے ک۔ دو میں اب منظور کریں گا اور اب بھی پہلی ڈنکوں کا۔ ہاں یہاں پہلے کی طرح بارہ سوڑے کے لیے کوئی جہاز ہوں گا۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی؟" اسحاق نے پوچھا۔

"سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔" مولیٰ نام مٹائی نے آہستہ سے کہا۔

اسحاق میرے سے ملنے کی طرف دیکھنے لگا۔

مٹائی بولا: "جو کچھ تم نے کہا، جو کچھ بی نے کہا ہے۔" جو کچھ لوگوں نے کہا ہے۔ جو کچھ ان چھ سالوں میں میرے دل نے کہا ہے۔ اس کے اوجہ دیکھ میرے دل میں جیلنگ کی تصویر ہے۔ وہ تو وہی ہے، وہ تو دمٹ کئے گی، سننے؟۔ انکا کبر کر مٹائی بستر سے اٹھ کھڑا ہوا، اسحاق کی طرف دیکھ کر آہستہ سے سکھایا۔

اور جب وہ سکھایا تو اسحاق جواب تک کہنے کو نہ سمجھ سکا تھا۔ اب جیسے بہت کچھ بھگیا۔ بچہ ایک اس نئی ہی سکھایا مٹ نے پہلی بار اسحاق کی نظروں میں ملنے کا پہلا پہل دیا۔ وہ اس کے برصورت چہرے کو گھٹکتے ہوئے اور اس کے اندر سے ایک خواہش سے چہرے کو نکھرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ایک ایسا چہرہ جس میں روئی کی عظمت، اذیت کی وفا، اور برہنوں کے تجر گھٹے ہوئے تھے۔ یہ صدق و صفا، یہ مہر و وفا، یہ ایک بے کراں بے کرا۔ پاکیزہ ہی پاکیزہ جذبے سے نمودار شہاد حرمیت۔ کوئی کہتا ہے آج ہمیں وہ بڑے صوابی ہو رہے ہیں، کون کہتا ہے۔۔۔۔۔!!!

اسحاق کی آنکھوں میں آنسو پیچنے سے لگے۔ وہ اسے کچھ کہہ نہ سکا۔ اس سے بات تک نہ لگا۔ مٹائی نے اپنی ٹوپی اٹھائی۔ اسے اپنے سر پر رکھا۔ ایک بار بچہ بھی لگی شہادت ہی نکو سے اسحاق کی طرف دیکھ اور انگریزی میں کہتا۔

اس نے اسی ٹوپی اوپر مٹائی، اسحاق کو سٹم کیا اور باہر چل گیا۔

اسحاق اس کے پیچھے پیچھے برآمدے تک گیا۔ مگر اس نے اس سے کچھ کہا نہیں۔ اسے معلوم تھا کہ آج کے بعد وہ ملنے کو بھی نہ دیکھ سکے گا۔ کچھ عرصہ اس میں اس کی گھٹش دوڑے گی، مگر سالوں پر اس کا دل بڑھتا رہے گا۔ کچھ سالوں اور زینوں کی اپنی پہنڈاں ہیں، اسے ڈھٹ آئے گی، اور وہ کوئی نظر نہ مل سکے گا، اور کوئی آئینہ اس کے لئے باقی نہ رہے گا۔ اور بھی وہ محنت کرتا رہے گا، ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو کچھ کہتے نہیں، جو کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور کچھ پاتے نہیں اور اپنی زندگی کو سلا اندر دھت۔ ایک پہنڈے تیراگ دیکھتے ہیں۔

انکا اکھوں سا ہلاؤ، نہ ہاں کوئی صابیر لڑے، بیان، گھٹے کو کون سا اذکار دین کی

